شنکر

الکا شنکر

شنکر

مصنفہ : الکا شنکر

مترجم : انیس اعظمی

چلڈرن بک ٹرسٹ ☆ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ☆ بچوں کا ادبی ٹرسٹ

1

ہندوستان کے مغربی ساحل پر واقع کیرالا کے ایک چھوٹے سے قصبے کایمگلم (Kayamgulam) کا روشن چمچماتا دن تھا۔ پوری زمین دھان کے کھیتوں سے سبزہ زار ہو رہی تھی۔ ہلکی ہلکی خنک ہوائیں دھان کی فصل کو لہلہا رہی تھیں۔ ناریل اور دیگر پام کے درختوں، آم اور کٹہل کے جھنڈ کے جھنڈ لدے تھے اور ان کے بیچ جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے تالاب، خاکی جھونپڑیاں اور بھورے رنگ کی کھپریل کی چھتوں والے کچھ مکانات پھیلے ہوئے تھے۔ چاروں طرف پھیلی اس خاموشی کو صرف چڑیوں کی چہچہاہٹ اور شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ توڑ رہی تھی۔ حدِ نظر تک پھیلی اس ہریالی میں رنگ برنگی تتلیاں ایک پھول سے اُڑ کر دوسرے پر بیٹھ رہی تھیں۔

کایمگلم کی اس خاموش پُرسکون فضا میں ایک بڑا سا مکان کھڑا تھا۔ یوں تو یہ ایک مشترکہ خاندان کا تھا مگر اس میں بہت ہی کم لوگ آباد تھے جو کہ ایک چچیرے دادا، دادی ماں، ایک چھوٹے سے پوتے اور ایک چچا پر مشتمل تھا۔ لمبے چوڑے اور بہت شان دار شخصیت کے مالک دادا سے ہر کوئی ڈرتا اور ان کی عزت کرتا تھا۔ سب کا چہیتا لیکن شرارتی بچہ شنکر اپنے دادا کی کڑی نگاہوں سے بچ کر باغوں، تالابوں کے بیچ گھومتا اور نئی نئی شرارتیں کیا کرتا۔

بچے کی مہربان اور نیک دادی اس کے پیچھے سائے کی طرح لگی رہتیں۔ وہ اس کو ہر پریشانی سے بچا لیتیں، خاص طور پر جب وہ اپنے دادا کی زد میں آیا ہوتا۔ اس کے دُلارے چچا اس کی ہر ضرورت میں اس کا ساتھ دینے کو تیار رہتے۔

شنکر کا اپنا کوئی دوست نہ تھا۔ اپنے سنک مزاج اور کڑے اصولوں کے لیے مشہور اس کے دادا نے گاؤں کے دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلنے پر پابندی لگا رکھی تھی۔ انھیں لگتا تھا کہ وہ گاؤں کے ان بچوں کے ساتھ بگڑ جائے گا۔ وہ بچے بھی دادا کی بھاری آواز اور کڑی ڈانٹ پھٹکار کی ڈر سے اس بڑے گھر کے آس پاس نہیں پھٹکتے تھے۔

اور اسی لیے شنکر اکیلا ہی درختوں اور جنگلی بیلوں کے جھنڈ میں پھرتا رہتا تھا۔ وہ ایک سے دوسرے پھولوں کا رس چوستی شہد کی مکھیوں کو دیکھتا رہتا۔ تتلیوں کے پیچھے بھاگتا اور کسی پیڑ کی اونچائی پر بیٹھے الو کو ٹکٹکی لگائے دیکھتا رہتا۔ کبھی کبھی وہ چڑیوں اور جانوروں کی آوازوں کی نقلیں کرنے کی کوشش کرتا۔

یوں تو یہ گھر بہت بڑا تھا اور اس وقت اس میں بہت مختصر لوگ رہا کرتے تھے۔ شنکر ہر وقت مصروف رہتا۔ گھر کے چاروں طرف کُل چھ تالاب تھے۔ ان میں سے ایک تالاب مویشیوں کے لیے تھا۔ ایک باورچی خانہ اور صفائی ستھرائی کے لیے تھا۔ اس کے علاوہ دو اور تالاب تھے۔ شنکر نے ہر تالاب کے لیے اپنا الگ الگ وقت مقرر کر رکھا تھا جو کہ وہاں ہو رہے کاموں کے اوقات سے میل کھا سکے۔ گھر کے ملازم جب برتن دھونے آتے یا عورتیں نہانے اور کپڑے دھونے آتیں تو وہاں بیٹھ کر وہ ان کے ساتھ گپ شپ کرتا۔ وہ اپنی دادی کے ساتھ مندر جاتا اور جب تک وہ پوجا کر کے نہ لوٹتیں وہ تالاب میں پیر لٹکائے پانی میں چھپ چھپ کرتا رہتا۔

شنکر اکثر اپنے گھر کے پچھواڑے والے تالاب میں تیرتی مچھلیوں، رام چڑیا، لق لق اور دوسری کئی طرح کی چڑیوں کو اپنے شکار پر جھپٹتے دیکھتا رہتا۔

شنکر کی ایک اور پسندیدہ جگہ گؤشالہ تھی۔ وہاں بہت ساری گائیں، بیل اور بیل گاڑیاں ہوا کرتی تھیں۔ دادا کی اجازت سے ان بیل گاڑیوں پر سواری کرنے میں اسے بہت مزہ آتا۔ شرارتی بچھڑوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے میں شنکر کو بڑا لطف آتا۔ کھیتوں اور گھر میں کام کرنے والے تمام ملازمین اسے بہت پیار کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ شنکر نے اپنے آپ کو کبھی تنہا نہیں محسوس کیا۔

شنکر کے لیے سب کچھ صرف ہنسی مذاق اور کھیل کود ہی نہ تھا۔ اپنی عمر کے اور بچّوں کی طرح اسے اسکول بھی جانا ہوتا۔ پہلے چار برسوں میں اس نے ایک ملیالم اسکول میں تعلیم حاصل کی۔ اس مقامی اسکول کے ہیڈ ماسٹر بہت موٹے، پست قد اور سخت مزاج تھے۔ ان کے چہرے پر کبھی بھی مسکراہٹ نہ ہوتی۔ اسکول کے سبھی بچّے ان کی گونجتی آواز اور بید کی دردناک مار سے بہت ڈرتے تھے اس لیے شنکر کو ان سے کچھ زیادہ ہی محتاط رہنا پڑتا تھا۔ وہ اتفاق سے اس کے دادا کے ایک اچھے دوست بھی تھے۔

ہیڈ ماسٹر جب بھی اس کے گھر آتے دادا سے وہ شنکر کی پڑھائی میں ہونے والی ترقی پر ضرور بات چیت کرتے۔ حالاں کہ وہ شنکر کو اس کے نٹ کھٹ مزاج کی وجہ سے کوئی خاص پسند نہیں کرتے تھے مگر پھر بھی دادا سے وہ کوئی غلط رپورٹ نہیں کرپاتے۔ کیوں کہ شنکر اپنی جماعت کے بہترین طلبہ میں سے

شنکر ـــ گریجویشن

مہاراجہ کالج آف سائنس۔ تریوندرم

شنکر ـــــ شادی کے بعد

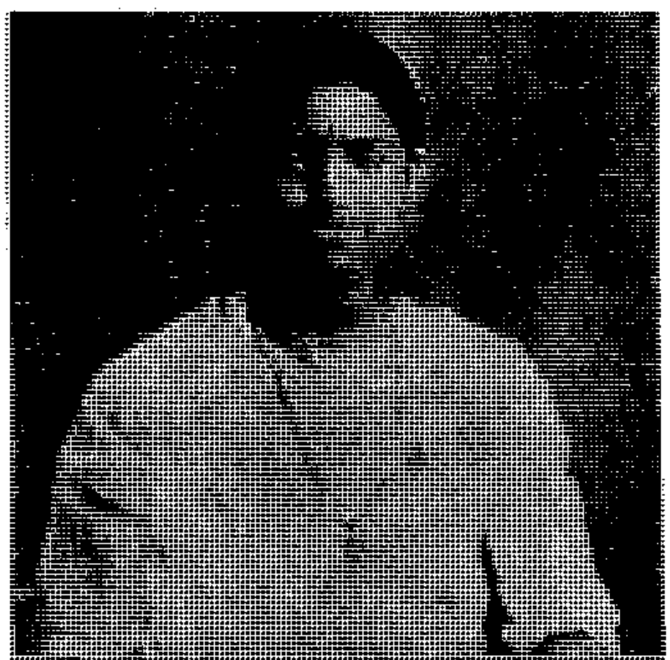

تھنکم ـــــ ان کی ہونے والی بیوی

ایک تھا۔ وہ جب بھی دادا سے بات کرتے، کہتے کہ شنکر ایک ذہین اور بہترین طالبِ علم ہے۔ اس کا مستقبل تابناک ہے۔ یہ سب شاید وہ دادا کو خوش کرنے کے لیے بھی کہا کرتے تھے اور دادا ان باتوں سے بہت خوش بھی ہو جاتے۔ حالاں کہ ان کا سلوک بہت سختی بھرا تھا مگر دل سے وہ اسے بہت پسند کرتے تھے اور شاید اسی لیے وہ چاہتے تھے کہ ہیڈ ماسٹر اپنے تعریفی جملے دُہرائیں اور وہ دوبارہ پوچھتے "کیا تم سچ مچ سوچتے ہو کہ میرا شنکر اتنا ذہین ہے؟"۔

"بالکل بالکل! وہ بہت ذہین ہے اور بڑا ہو کر ایک عظیم انسان بنے گا"۔ چالاک ہیڈ ماسٹر دُہراتے۔

حالاں کہ ہیڈ ماسٹر کے بیانات چاپلوسی میں کہے گئے تھے مگر سچ ثابت ہوئے کیوں کہ یہ شنکر کوئی اور نہیں "کے شنکر پلئی" جنھیں بڑے اور چھوٹے سب ہی پیار سے "شنکر کارٹونسٹ" کے نام سے یاد کرتے اور بچّوں کی دنیا میں Pied Piper (چھبیلا بانسری بجانے والا) کے نام سے مشہور ہوئے۔

2

کیشو شنکر پلئی 31 جولائی 1902 کو ٹراونکور کے ایک چھوٹے سے قصبے کائیمکلم میں پیدا ہوئے جو کبھی ایک شاہی ریاست تھی۔ کیرالا جو کہ کوچین، مالابار اور ٹراونکور کے اشتراک سے بنا ہے، اپنے خوب صورت مناظر اور گہری تہذیب کا گہوارہ ہے۔ یہ تہذیب نہ صرف وہاں کے محلوں اور مندروں سے جھلکتی ہے بلکہ وہاں کے لوگوں کے طور طریقوں اور لوگوں کی وضع قطع میں ظاہر ہے اور ان کے بہترین اخلاق، نظم و ضبط، ایمان داری اور ان کی کڑی محنت اور استقلال میں بھی جھلکتی ہے۔

اس پس منظر میں پلے بڑھے شنکرن نے نوجوانی کے ان خوابوں اور معیاروں کو سنبھالے رکھا جن سے انھوں نے اپنی زندگی کا مقصد پالیا۔ وہ ایک مقصد حاصل کرنے کے بعد نئی نئی کامیابیاں ڈھونڈتے رہے۔ جب وہ بہت چھوٹے تھے تبھی شنکرن کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ ان کی ماں کی دوبارہ شادی ہو جانے پر وہ اپنے دادا، دادی اور چچا کی کڑی نگرانی میں پلتے بڑھتے رہے۔ ان کا بچپن بہت خوشگوار گزرا۔ قدرت سے ان کا پیار، جانوروں سے ہمدردی، بڑوں کی عزّت اور ان کے اندر بے باکی اور نڈر پن ان کو دوسرے بچّوں سے منفرد بنائے ہوئے تھا۔

شنکرن ایک بے چین بچہ تھے۔ چچیرے دادا کے خوف سے وہ اپنے روزمرہ کے کام کرتے لیکن چاق و چوبند بھی رہتے۔ ہمیشہ ہنسی مذاق اور مہم جوئی کی دُھن اور کچھ نہ کچھ نیا کرنے کی تلاش میں رہتے۔ اس کی یہ شرارتیں بڑی بے ضرر ہوا کرتیں۔ اس کے دل میں کسی کے لیے نفرت نہ تھی چاہے وہ انسان ہو یا جانور۔

شنکرن کے بچپن کے سب سے یادگار واقعات میں سے ایک ان کا مگرمچھ پکڑنا تھا۔ برسات کے موسم میں ایک دن اس نے دیکھا کہ پچھواڑے والے تالاب میں ایک مگرمچھ ساری مچھلیاں چٹ کر رہا ہے۔ اُسے مچھلیوں پر بڑا ترس آیا۔ وہ کسی بھی حال میں مگرمچھ کو وہاں سے بھگانا چاہتا تھا۔ وہ ایک پیڑ کے پیچھے چُھپ گیا۔ جب بھی مگرمچھ دھوپ کھانے پانی سے باہر آتا وہ اس پر پتھر اور اینٹوں کی بوچھار کر دیتا۔ اس نے کئی بار ایسا کیا لیکن مگرمچھ نے تالاب نہیں چھوڑا۔

اچانک ایک خیال اس کے ذہن میں کوندا۔ ایک بار اس نے پھندے میں پھنسے آوارہ کتّے کو دیکھا تھا۔ یہ

خیال اسے بے تاب کر گیا۔ اس نے سوچا کیوں نہ اس مگرمچھ کو پھندے سے پکڑ لوں۔ اس نے ساری گئوشالہ چھان ماری آخر میں ایک لمبی سی رسّی مل ہی گئی۔ جب تک چچیرے دادا گھر میں رہے وہ ایسا کچھ کرنے کی ہمت نہیں کر پایا لیکن اسے جلد ہی موقع مل گیا کیوں کہ کاروبار کے سلسلے میں دادا کو قریب کے ایک قصبے میں جانا پڑا۔

شنکرن تیر کی طرح تیزی سے گئوشالہ پہنچا اور وہاں چھپی رسّی کو نکال لیا۔ رسّی کے ایک سرے پر پھندا بنا کر باڑ کے اس حصّے پر ٹانگ دیا جہاں سے مگرمچھ نے اپنے آنے کا راستہ بنا لیا تھا۔ مگرمچھ روزانہ اسی راستے سے مچھلیاں پکڑنے جاتا۔ اس نے رسّی کا دوسرا سرا پیڑ کے اوپر باندھ دیا۔

شنکرن اس رات سو نہیں سکا، وہ بار بار یہی سوچتا رہا کہ مگرمچھ میرے جال میں پھنسے گا یا نہیں۔ صبح سویرے وہ باڑ کی طرف روانہ ہوا۔ یہ دیکھ کر اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی کہ ایک بڑا سا مگرمچھ جس کی گردن میں پھندا پڑا ہے، اپنے آپ کو رہا کرانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہے۔

"میں نے اس بدمعاش کو پکڑ لیا! میں نے اسے پکڑ لیا" وہ خوشی سے چیخ اٹھا اور دوڑتے ہوئے اندر گیا اور اپنے چچا کو تقریباً گھسیٹتے ہوئے باہر لا کر کہا "میں نے مگرمچھ پکڑ لیا!"۔

شنکرن اس دن کا ہیرو تھا۔ اس واقعہ کی خبر پھیلتے ہی اس کی دادی ماں، گھر کے نوکر، کھیتوں میں کام کرنے والے کسان، پڑوسی اور گاؤں کے بہت سارے لوگ شکار ہوئے مگرمچھ کو دیکھنے چلے آئے۔ دادی ماں رو رہی تھیں شاید یہ پوتے کی بہادری پر فخر کے آنسو تھے یا خوف کے کہ "کون جانے یہ مگرمچھ اس کو کھا ہی جاتا"۔

اپنے چچا کی مدد سے اس نے ایک اور رسّی لے کر مگرمچھ کی پونچھ بھی باندھ ڈالی۔ ایک ڈنڈے کی مدد سے وہ دونوں اس بھاری بھرکم مگرمچھ کو آنگن تک لانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس دن جب دادا گھر واپس لوٹے تو انھوں نے گھر کے سامنے ایک بڑا مجمع دیکھا اور قریب آنے پر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ انھوں نے دیکھا کہ وہ سب ایک مگرمچھ کے چاروں طرف کھڑے ہیں اس بھیڑ میں شنکرن، اس کے ساتھی اور اس کے استاد بھی شامل تھے۔ انھیں شنکرن پر بڑا ناز تھا۔

شنکرن مگرمچھ کو چوٹ نہیں پہنچانا چاہتا تھا اور لوگوں کو اسے پتھروں سے مارنے اور بانس چبھانے کی اجازت بھی نہیں دے رہا تھا۔ لیکن لوگوں پر اس کا اثر نہیں ہوا۔ اچانک ہی دادا کے چنگھاڑنے کی آواز آئی۔ "اس مگرمچھ کو اکیلا چھوڑ دو! اور سب اس جگہ سے فوراً چلے جاؤ!" کوئی بھی ان کے حکم کی تعمیل کیے بنا نہیں رہ سکتا تھا۔ منٹوں میں سارے لوگ بڑبڑاتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

پچھیرے دادا جی نے حکم دیا"شنکر۔اس مگرمچھ کو آزاد کر دو!"

اپنے چچا کی مدد سے شنکرن مگرمچھ کو گھسیٹتے ہوئے مندر کے پاس والے تالاب میں لے گیا جہاں وہ مگرمچھ رہا کرتا تھا اور اس کو رہا کر دیا۔ شنکرن اکثر چپکے چپکے مندر کے ساتھ والے تالاب تک جاتا اور فرصت سے دھوپ کھاتے اس مگرمچھ کو دیکھتا رہتا۔

ایک اور واقعہ جو کہ شنکرن کے شرارتی بچپن کا ہے جب کہ وہ صرف آٹھ سال کا تھا۔اس کے ساتھی نے سنایا۔اس کے مزاحیہ مزاج کا شکار اس کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ان کی حد سے زیادہ سختی کی وجہ سے کوئی بھی بچہ انھیں پسند نہیں کرتا تھا۔

ایک روز ان کے کلاس ٹیچر غیر حاضر تھے ان کی جگہ پر ہیڈ ماسٹر بچوں کو حساب پڑھانے بذاتِ خود درجے میں گئے۔وہاں غیر معمولی خاموشی تھی۔انھوں نے حساب کے پانچ سوالات تختۂ سیاہ (بلیک بورڈ) پر لکھے اور بچوں سے سارے سوالات وقفہ ختم ہونے سے پہلے حل کرنے کو کہا۔اس کے بعد وہ اپنی کرسی پر جا بیٹھے۔اپنی پگڑی اُتاری اور اسے میز پر رکھ دیا۔ سارے بچے غیر معمولی اخلاق کا مظاہرہ کر رہے تھے اس لیے انھوں نے تھوڑی سی نرمی برتی۔اپنے پیروں کو اٹھا کر میز پر رکھا اور اپنے آپ کو پہلے سے زیادہ آرام دہ حالت میں بنالیا اور وہ جلد ہی سو گئے۔

شنکرن سمیت سارے بچوں نے جلد ہی سارے سوالات حل کر ڈالے لیکن شور کرنے کی کسی میں ہمت نہ تھی کیوں کہ ماسٹر صاحب کی بید کی چوٹ سے وہ سارے خوف زدہ رہتے تھے۔اس لیے سارے انھیں خاموشی سے بیٹھے دیکھتے رہے اور ان کے خراٹوں کو سنتے رہے۔شنکرن نے سوچا کہ ہیڈ ماسٹر اس صورتِ حال میں کتنے مضحکہ خیز لگ رہے ہیں۔اس نے ان کی تصویر بنانے کا فیصلہ کیا۔بنا لینے کے بعد کاغذ پر برآمد نتیجے کو دیکھ کر اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔وہی گول چہرہ موتی جیسی آنکھیں، گنجا سر اور موٹا سا باہر نکلا ہوا پیٹ۔میز پر ننگے پیر اور اس کے ساتھ اونچی دھوتی، وہ زیادہ انتظار نہیں کر پا رہا تھا دل چاہ رہا تھا کہ کیسے یہ تصویر دوستوں کو دکھادوں۔

گھنٹی بجتے ہی ہیڈ ماسٹر نے چھلانگ لگائی۔تیزی سے جوابات جانچ کرنے کے بعد وہ درجے سے باہر چلے گئے۔جیسے ہی شنکرن نے تصویر اپنے دوستوں کو دکھائی سارے لڑکے ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے اور بہت دیر تک اپنی ہنسی کو نہیں روک سکے۔تصویر میں کون تھا،اس میں کوئی شبہے کی گنجائش نہ تھی۔ایک لڑکے نے چیخ کر کہا۔"ہیڈ ماسٹر کتنے مضحکہ خیز لگ رہے ہیں"۔

"شنکرن تم نے بہت اچھا کام کیا ہے"۔

کالج کے دوران شنکر اسکاؤٹ کیمپ میں (دوسری قطار میں بالکل بائیں طرف)۔

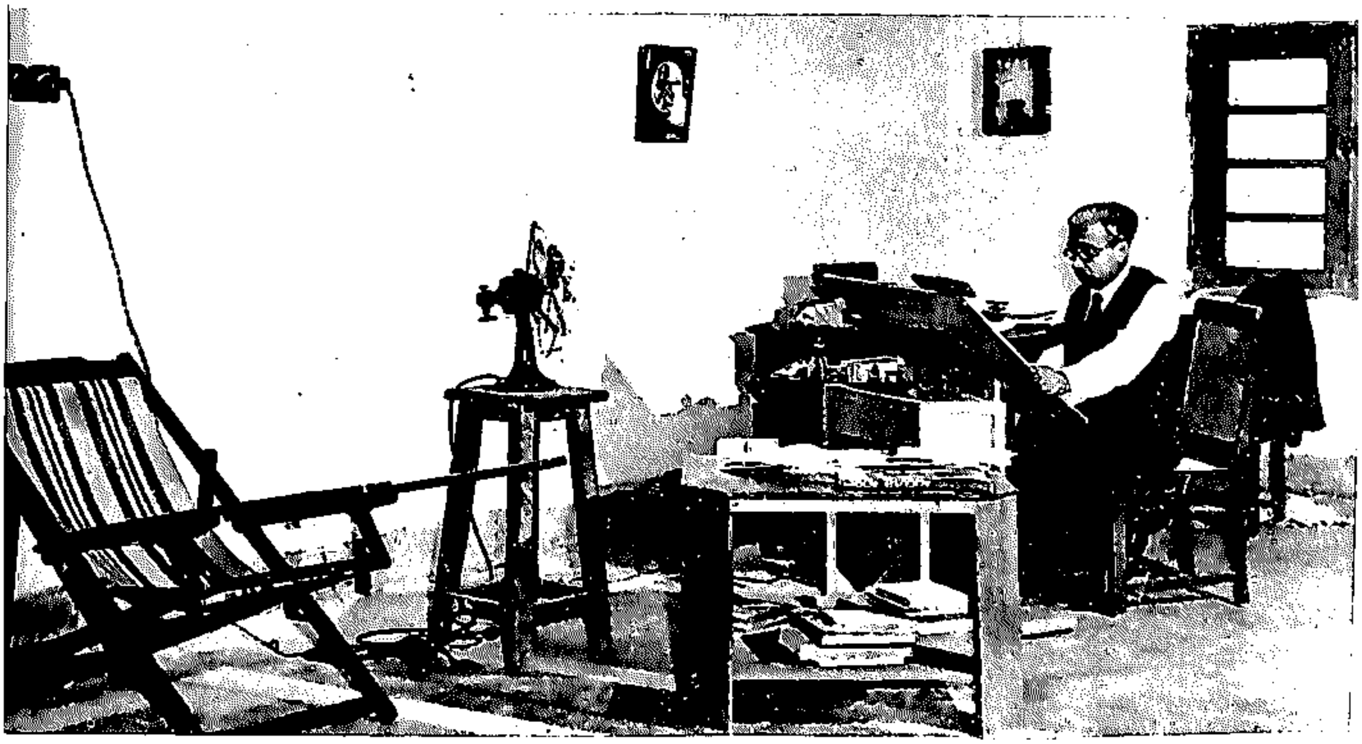

دی ہندوستان ٹائمز میں شنکر کام کرتے ہوئے

اسی دوران اگلے گھنٹے کے استاد ان کے درجے میں داخل ہوئے۔ درجے میں برپا سارے ہنگامے کی وجہ جاننا چاہتے تھے۔ آخر میں شنکرن کی بنائی تصویر سامنے لائی گئی۔ پہلے تو استاد مسکرائے مگر اچانک ہی انھیں احساس ہوا کہ لڑکے ان کے ردِّعمل کو دیکھ رہے ہیں اس لیے انھوں نے سنجیدگی اختیار کرلی اور تصویر لے کر باہر چلے گئے، ہیڈ ماسٹر کے کمرے میں۔ جلد ہی وہاں شنکرن کی طلبی ہوئی اور انجام وہی ہوا جس کی سب کو امید تھی۔ ہیڈ ماسٹر غصّے سے دہاڑ رہے تھے۔ "کیا یہ تصویر تم نے بنائی ہے؟"۔

"جی ہاں!" شنکرن نے آہستگی سے جواب دیا۔

"تم اپنی کلاس سے دو ہفتے کے لیے معطّل کیے جاتے ہو۔ یہاں سے دفع ہو جاؤ!" ہیڈ ماسٹر گرجے۔

شنکرن کے سارے ساتھی بڑے دُکھی تھے۔ انھوں نے ہیڈ ماسٹر سے اس سلسلے میں بات چیت کرنے کے منصوبے بنائے۔ مگر شنکرن اگر کسی بات سے خوف زدہ تھے تو وہ اپنے چچیرے دادا کا قہر تھا۔

ہیڈ ماسٹر نے اپنا کوئی بھی وقت ضائع نہیں کیا اور اسی شام وہ دادا جان سے ملنے چلے آئے۔ وہ ابھی تک بہت غصّے میں چڑھے ہوئے لگ رہے تھے۔ ان کو دیکھتے ہی شنکرن دروازے کے پیچھے چُھپ گئے اور جھری میں سے جھانکنے لگے۔

ہیڈ ماسٹر بڑبڑائے۔ "شنکرن اسکول میں ایک مصیبت بن گیا ہے"۔ چچیرے دادا جان نے اپنی پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے پوچھا "اس نے کیا کیا ہے؟"

"آپ خود ہی دیکھ لیں"۔ ہیڈ ماسٹر نے کہتے ہوئے تصویر نکالی اور دادا کے سامنے رکھ دی۔

شنکرن کی سانس اوپر کی اوپر اور نیچے کی نیچے تھی۔ وہ سہم گئے کہ دادا جان ابھی بلا کر انھیں بہت لتاڑیں گے۔ انھوں نے دیکھا کہ دادا جان بہت انہماک سے تصویر کو دیکھ رہے ہیں اور اچانک ہی وہ بڑے زور سے ہنسنے لگے۔ اور بہت حیرت زدہ ہو کر خوب ہنستے ہوئے انھوں نے کہا "کیا یہ سچ مچ شنکرن نے بنایا ہے؟ مجھے علم نہیں تھا کہ وہ اتنی اچھی تصویر بنالیتا ہے"۔

ایسے سنجیدہ موضوع پر دادا جان کا یہ ردِّعمل دیکھ کر ہیڈ ماسٹر حیرت زدہ رہ گئے لیکن شنکرن نے راحت کی سانس لی۔

شنکرن ہمیشہ خیالوں میں کھوئے رہتے۔ اکثر درجے میں کھڑکی سے باہر ٹکٹکی باندھے دیکھتے ہوئے پکڑے جاتے۔ ان کا اکثر دل چاہتا تھا کہ درجے کے اندر اکتا دینے والے ماحول اور سبق پڑھنے کی بجائے آزادانہ گھوموں پھروں۔

وہ بچپن سے ہی جستجو کا شوق رکھتے تھے۔ان میں سب چیزوں کے بارے میں جاننے کی لگن تھی۔ان کے دل کو اس وقت سکون ملتا جب ان کی مشکلات حل ہوتی نظر آتیں اور انھیں تسلی بخش جواب مل جاتا۔ کبھی کبھی تو ان کے پیچیدہ سوالات کا ان کے استاد تک جواب نہیں دے پاتے۔ اکثر رات کے کھانے کے بعد بر آمدے میں بیٹھے وہ اپنے چچیرے دادا سے طرح طرح کے سوالات کیا کرتے، وہ ان کے سوالوں کا بڑے صبر و سکون سے جواب دیتے تب بھی ان کی تسلی نہیں ہوتی۔ان کی بحثوں میں اکثر ان کے چچا بھی شامل ہو جاتے اور آس پاس کی سبھی چیزوں مثلاً پیڑوں اور دوسری نباتات، کھیتوں، موسم اور بہت ساری چیزوں کی پوری پوری معلومات فراہم کر کے انھیں شنکرن کو مطمئن کرنا پڑتا۔

شنکرن یوں تو اپنے چچیرے دادا سے بہت خوف زدہ رہتے تھے مگر کچھ سیکھنے اور جاننے کی جستجو میں وہ اکثر ان کے آگے پیچھے گھوما کرتے۔ایک بار جب وہ مکان کے پچھواڑے باغ میں ٹہل رہے تھے شنکرن ان کے ساتھ ہو لیے۔ تبھی بارش تھمی تھی اور تازہ خنک ہوا چل رہی تھی، چچیرے دادا جان چلتے چلتے رُکے اور صندل کے پیڑ کے نیچے ایک جھاڑی سے چنبیلی کا پھول اٹھالیا۔شنکرن دوڑتے ہوئے وہاں پہنچے اور اس کی ایک ٹہنی پکڑ کر پوری طاقت سے ہلانے لگے۔ پیڑ کی پتیوں پر جمع پانی گرنے لگا اور ان کے دادا جان پوری طرح بھیگ گئے۔اپنے لباس کو بہت نوک پلک سے درست رکھنے والے چچیرے دادا جان، شنکرن کی اس احمقانہ حرکت سے غصّے میں آگئے۔ سہمے ہوئے بچّے کو انھوں نے دوڑلیا اور وہ دوڑتے ہوئے گھر کے اندر جاکر دادی ماں کی ساڑی میں چُھپ گئے۔

شنکرن کے علم کی پیاس کبھی نہیں بجھی۔انتہا تو یہ تھی کہ اُن کے مستقل سوالوں کا جواب اب ان کی دادی ماں کو بھی دینا پڑتا۔ ظاہر ہے کہ ان کا علم صرف باورچی خانے، کھانے پکانے، ان کے دیوی دیوتاؤں اور مندر کی رسموں تک ہی محدود تھا۔

شنکرن کو اچھا کھانا پسند تھا۔ وہ اکثر باورچی خانے کے ارد گرد منڈلاتے رہتے۔ سبزیاں کاٹنے کی کوششیں کرتے یا کھانے میں پڑے مصالحوں کو وہ بہت غور سے دیکھتے رہتے۔اپنے بچپن میں انھوں نے جو کچھ دیکھا وہ بعد میں ان کے بہت کام آیا کیوں کہ اکیلے رہ کر اپنا کھانا خود ہی تیار کرنا پڑتا تھا۔ ان کے دوست ان کے بنائے کھانوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔

اپنی عمر کے تمام لڑکوں کی طرح شنکرن کو بھی باہر گھومنا، عمدہ کھانا کھانا، شرارتیں کرنا پسند تھا۔وہ اسکول کو ناپسند کرتے تھے۔ لیکن اندر سے وہ بالکل مختلف تھے۔ وہ بہت حسّاس اور پیارے تھے خاص طور سے بے ضرر کیڑے مکوڑوں اور جانوروں کے لیے۔ وہ جب بھی کسی دوسرے کو پریشانی میں دیکھتے تو ذہنی

طور پر بہت پریشان ہو جاتے اور ہر طرح سے ان کی مدد کرنے کی کوشش کرتے۔

ایک دن وہ چند میلوں کی دوری پر واقع اپنی ایک چچی کے گھر گئے۔ وہاں انھوں نے دیکھا کہ ایک کتا گلہری کے بچے کو دوڑا رہا ہے۔ انھوں نے کتے کو بھگا دیا اور گلہری کو پیار سے پچکارنے لگے۔ وہ ڈر کے مارے بُری طرح کانپنے لگی۔ شنکرن نے اسے گھر لے جانے کا فیصلہ کیا۔

یہ دیکھتے ہی کہ شنکرن گھر میں گلہری کا بچہ لے آئے ہیں سب لوگوں نے اعتراض کیا۔ ایک دلیل یہ بھی دی گئی کہ گلہری کا بچہ اپنی ماں کے لیے بے چین ہو گا۔ اس پر شنکرن نے جواب دیا کہ "اگر اسے میں اپنے گھر نہیں لاتا تو اس کتے نے اب تک اسے مار ڈالا ہوتا"۔ شنکرن نے بحث کرتے ہوئے کہا کہ "میں اس کی ماں کو کہاں ڈھونڈتا پھروں؟ میں نے تو اس بچے کو اکیلا ہی پایا تھا"۔

آخر میں جیت شنکرن کی ہی ہوئی اور اسے گلہری رکھنے کی اجازت مل گئی۔ انھوں نے اس کی خوب دیکھ بھال کی۔ انھیں ایک بکس مل گیا اس میں تین طرف چھید کر کے کچھ بھوس بچھا دی۔ اپنی دادی ماں کی بہت منت سماجت کرنے پر انھیں ململ کا ایک ٹکڑا مل گیا جس کو انھوں نے قاعدے سے بھوس پر بچھا دیا۔ گلہری کے لیے ایک اچھا سا گھر تیار ہو گیا تھا۔ وہ دونوں بہت اچھے دوست بن گئے۔ وہ پیڑوں کے نیچے اور پچھواڑے میں کھیلتے رہتے اور شنکرن ہمیشہ اس کے کھانے پینے کے لیے کچھ تلاش کیا کرتے۔ یہ ننھی سی جان دادی ماں کی بھی دُلاری بن گئی۔ وہ اکثر اسے پیالے میں دودھ دینے لگیں۔ لیکن شام کو وہ شنکرن کے اِرد گرد منڈلاتی رہتی۔

اس پیارے سے خوب صورت ماحول میں شنکرن نے اپنی زندگی کے شروع کے سال بتائے لیکن یہ دن جلد ہی پَر لگا کر اُڑ گئے۔ وہ دن آ گئے جب شنکرن کو اس ہنسی اور کھیل کے ماحول کو چھوڑ کر محنت و مشقت بھرے ماحول میں داخل ہونا پڑا۔ لیکن یہاں آزادی زیادہ تھی۔

شنکرن کے ہائی اسکول میں داخلے کا وقت آ گیا۔ یوں تو کایمکلم میں آگے کی تعلیم کی سہولیات مہیا تھیں لیکن وہ صرف مقامی زبانوں میں ہی تھیں۔ جب کہ بڑے شہر میں ایک اچھا ہائی اسکول تھا جہاں انگریزی زبان میں تعلیم دی جاتی۔ لیکن تبھی شنکرن کو میعادی بخار (ٹائی فائڈ) ہو گیا اور وہ تین ماہ تک سنبھل نہیں پائے۔ پڑھائی کا ان کا ایک سال ضائع ہو گیا۔ پھر بھی مویلی کارا (Mavelikara) میں موجود انگریزی میڈیم ہائی اسکول میں بھیجے جانے کے قبل ہی کایمکلم میں ہی تیاری کرا دی گئی۔

مویلی کارا، کایمکلم سے چھ میل دور ہے اس کا مطلب یہ تھا کہ ان کو اب اپنے چچیرے دادا، دادی اور چچا کی سرپرستی سے باہر آنا تھا۔

ایک کم عمر بچے کے لیے چھ میل ایک اچھا خاصا فاصلہ تھا اور شنکرن نے اتنی دور نہ جانے کے لیے دادی ماں کو منانے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی۔ ننھے شنکرن کو مویلی کارا بھیجنے کا اٹل فیصلہ ہونے پر دادی ماں بھی خود چھپ چھپ کر آنسو بہا رہی تھیں لیکن بااصول چچیرے دادا جان کے غصّے کو کون جھیل سکتا تھا۔

اپنی دادی ماں کے کپڑوں کے پیچھے چھپے شنکرن پر وہ چلائے "کیا ہائی اسکول نہیں جاؤ گے؟ تم اَن پڑھ اور بے وقوف رہنا چاہتے ہو؟" شنکرن نے بھانپ لیا کہ اب کوئی راستہ نہیں ہے۔ داداجی کا فیصلہ اٹل ہے۔ وہ اپنے سبھی دوستوں کو کھیتوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو الوداع کرنے چل دیے۔ انھوں نے اپنے چھپنے کی پسندیدہ جگہ کو بھی خاموش الوداع کہا۔ اب وہ ہر چیز سے محروم ہو رہے تھے خاص طور سے اپنی دادی ماں کی پیاری آغوش سے۔

لیکن مستقبل ان کا منتظر تھا اور ایک دن اپنے بھرے تھیلوں سمیت دادا جان کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے شنکرن کو ایک گاڑی کے پاس لے جایا گیا اپنی زندگی کا ایک نیا اور لمبا سفر شروع کرنے کے لیے۔

3

موپلی کارا میں ہائی اسکول کی تعلیم کے دوران شنکرن کو اپنی شخصیت بنانے میں مدد ملی۔ وہ ان تینوں لوگوں سے ہمیشہ کے لیے کٹ گئے تھے جو اب تک کی ان کی زندگی کو ڈھالنے کے ذمے دار تھے۔ اس لیے نئے ماحول میں اپنے آپ کو ڈھالنے میں انھیں کچھ وقت لگا۔ جن لوگوں کے ساتھ شنکرن رہتے تھے وہ بڑے سیدھے سادے اور بالکل بھی مداخلت نہ کرنے والے لوگ تھے۔ انھوں نے شنکرن کو ان کے حال پر چھوڑ دیا اور کبھی کبھار یہ پوچھ لیا کرتے کہ انھیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔ شنکرن کی زندگی زیادہ تر اس نئے اسکول کے ارد گرد گھوم رہی تھی۔

یہ ایک انگریزی ذریعہ تعلیم کا اسکول تھا جو کہ ان کے آبائی قصبے میں موجود اسکول سے کئی گنا بڑا تھا۔ اس میں طالبِ علم بھی بہت زیادہ تھے۔ اس نئے اسکول میں شنکرن کو اپنا ایک پرانا شناسا مل گیا اس لیے انھوں نے اپنے آپ کو کبھی اکیلا محسوس نہیں کیا۔ وہ دونوں کافی قریب آگئے اور عام طور سے ایک ساتھ ہی آنے جانے لگے۔ اپنے سے بڑے درجوں کے لڑکوں سے تھوڑا سا سہمے ہوئے وہ دونوں ذرا دور ہی رہا کرتے۔ ان میں سے کچھ شر پسند تھے لیکن باقی بہت تہذیب یافتہ اور دوستانہ مزاج کے مالک تھے۔ نئے آئے ہوئے طالبِ علموں کی مدد کے لیے وہ ہر وقت تیار رہتے تھے۔

وہاں کے اساتذہ بھی بہت اچھے تھے۔ شنکرن کو اب پڑھائی میں لطف آنے لگا۔ علم پانے کے شوق میں وہ درجے میں بہت مستعد رہتے اور کبھی کبھی اس کے پوچھے گئے ذہین سوالات سے اساتذہ بھی متاثر ہو جاتے۔ جلد ہی وہ درجے کے ذہین طلبہ میں شمار کیے جانے لگے۔

شنکرن کو اپنا گھر اور بیتی زندگی بہت یاد آیا کرتی۔ لیکن انھوں نے زندگی کے اس نئے ڈھرے کو بہت حوصلے، بہادری اور خود اعتمادی کے ساتھ اپنا لیا۔ ان کے چچیرے دادا وہاں کے آنے والے بہت سارے لوگوں کی زبانی شنکرن کے بارے میں ملی خبروں سے کافی مطمئن تھے۔ وہ جب بھی موپلی کارا جاتے شنکرن کے بارے میں خود جانکاری حاصل کرتے۔ شنکرن نے یہ بات محسوس کی تھی کہ ان کے چچیرے دادا کے مزاج میں پہلے کے مقابلے بہت نرمی آگئی تھی۔ وہ انھیں بازار لے جاکر ان کی ضرورت کی چیزیں خریدتے اور انھیں جیب خرچ بھی دیتے۔ یہ لمحات شنکرن کے دل کو چھو جاتے

کیوں کہ انھوں نے اپنے چچیرے دادا کی فطرت کے اس پہلو کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔

مضامین کے بڑھ جانے اور اسکول سے گھر آکر کئی گھنٹے کام کرنے کے باوجود باہر گھومنے پھرنے کی دلچسپی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ جب بھی انھیں موقع ملتا وہ اپنے دوستوں کو لے کر قصبے کی ندی اور بڑے تالابوں میں تیرنے چلے جاتے۔ اس دوران انھوں نے بہت سارے دل چسپ مقامات ڈھونڈ لیے اور شنکرن ان جگہوں پر برابر جانے لگے۔ کیرالا گرم آب و ہوا کے خطے میں ہونے کی وجہ سے یہاں کے دن بہت گرم اور لمبے ہوا کرتے ہیں۔ گرمی سے بچنے کے لیے ندی یا آس پاس کے سیکڑوں تالابوں کے ٹھنڈے پانی میں ڈبکی لگانے سے بہتر کوئی راستہ نہیں تھا۔

شنکرن اب ایک لمبے چوڑے مضبوط اور خوب رو نوجوان بن چکے تھے۔ وہ ایک اچھے تیراک تھے۔ انھوں نے اپنے بہت سارے دوستوں کو تیرنا سکھایا۔ وہ سب پانی میں بہت دور تک تیرتے، کشتیوں کے ساتھ دوڑ لگاتے اور لطف اندوز ہوتے رہتے۔ ایک دن شنکرن اور ان کے دوستوں نے قصبے سے باہر ندی کے کنارے پکنک منانے کا فیصلہ کیا۔ وہ اپنے ساتھ کھانا لے گئے۔ انھوں نے وہاں چاروں طرف پھیلے ناریل کے پیڑوں سے کچے ناریل توڑنے کا منصوبہ بنایا۔ وہ اپنے ساتھ ایک چاقو لے گئے۔ جب وہ اس جگہ پہنچے تو گرمی کے مارے ان کا برا حال تھا۔ وہ سب پسینے سے شرابور تھے۔ اپنا کھانا اور قمیص پیڑ کے نیچے رکھ کر وہ سب پانی میں کود گئے اور خوشی سے چلا چلا کر ایک دوسرے پر پانی پھینکنے لگے۔ ندی کے دوسرے کنارے چند عورتیں کپڑے دھو رہی تھیں اور اپنے برتنوں میں پانی بھر رہی تھیں۔

ایک لڑکا جو اپنے آپ کو بہت اچھا تیراک مانتا تھا اس نے کہا "چلو ہم وہاں تک جاکر واپس لوٹنے کا مقابلہ کرتے ہیں"۔

"ہاں۔ چلو چلیں"۔ سبھی نے کہا اور ایک لائن بنا کر کھڑے ہو گئے۔ "چلو" کہتے ہی سب نے دوسرے کنارے کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ پانی ساکت اور خاموش تھا۔ تیرنے میں لڑکوں کو بہت سہولت ہو رہی تھی۔ نوجوان لڑکوں میں بھرپور توانائی تھی۔

وہ کُل چھ تھے، وہ سب ایک دوسرے سے بس تھوڑا ہی آگے پیچھے ندی کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ اس دوڑ کا ایک اصول یہ تھا کہ انھیں دوسرے کنارے پر رُکنا نہیں تھا بلکہ فوراً لوٹ آنا تھا۔ لوٹنے میں شنکرن سب سے آگے تھے۔ ان کے دو دوست بہت اچھے تیراک تھے لیکن اتنی لمبی تیراکی کی ان میں طاقت نہیں تھی۔ وہ سب پوری طاقت کے ساتھ تیرتے رہے۔ یہاں تک کہ عورتیں بھی کھڑی

ہو کر جوش و خروش سے بھرے ان لڑکوں کو دیکھنے لگیں۔

شنکرن لوٹنے والوں میں سب سے آگے تھے اور اس کے فوراً بعد ان کے دوست تھے۔ پہلے، دوسرے، تیسرے چوتھے اور پانچویں نمبر پر آئے مگر چھٹا کہاں تھا؟ وہ اتنا پیچھے تو نہیں رہ سکتا۔ وہ ندی کے بیچو بیچ نظر نہیں آ رہا تھا، تبھی شنکرن نے دیکھا کہ دور بہت دور کوئی بار بار ہوا میں اپنا ہاتھ لہرا رہا تھا اور بار بار ڈوبنے اور نکلنے کی کیفیت سے دو چار تھا۔ شنکرن چلّائے "یہ تو کٹّپن (Kutipan) ہے۔ لگتا ہے وہ کسی مصیبت میں ہے۔ وہ بنا وقت ضائع کیے پانی میں کود پڑے اور اس کی مدد کے لیے پوری طاقت سے اس کی طرف تیرنے لگے۔ کچھ ہی دیر میں وہ اس کے پاس تھے۔ اس کے دوست نے ہانپتے ہوئے کہا "میں ڈوب رہا ہوں اور میرے بائیں پیر میں سخت اینٹھن ہو رہی ہے۔ شنکرن مجھے بچالو"۔

"تم اپنے آپ کو پُر سکون رکھو اور جیسا میں کہوں ویسا کرو۔ گھبراؤ نہیں۔ کٹّپن میں تمھاری مدد کروں گا"۔ شنکرن نے اس کی ہمّت بڑھائی۔ ایک ماہر استاد (Coach) کی طرح اسے ہدایتیں دے کر اس کا حوصلہ بڑھاتے رہے اور آخر کار کٹّپن کو حفاظت سے کنارے پر لے آئے۔ لیکن جب ان دونوں نے زمین کو چھوا تو وہ بے دم ہو چکے تھے۔ ان کے پریشان ساتھی ندی کی طرف دوڑ پڑے اور ان کو باہر نکالنے میں مدد کی اور اس وقت تک ان کی مالش کی جب تک ان کی طاقت واپس نہیں لوٹ آئی۔

شنکرن اس دن کے ہیرو تھے۔ کٹّپن اس حادثے سے کافی سہما ہوا تھا۔ لیکن انھوں نے اس دہشت زدہ واقعے کو بھلا دیا اور باقی دن خوشی خوشی میں گزارا۔ وہ باری باری ناریل کے پیڑوں پر چڑھے۔ انھوں نے ایک دوسرے کے کھانوں اور کچے ناریلوں کا خوب لطف اٹھایا اور شام کو واپس گھر لوٹ آئے۔

کٹّپن اس واقعے کو نہیں بھلا سکا۔ جب بھی وہ اس واقعے کو یاد کرتا یہ ضرور سوچتا کہ شنکرن کی مدد کے بغیر وہ پانی میں ڈوب چکا ہوتا۔ اسکول کے سبھی اونچے درجوں کے لڑکوں نے ان کو نئی روشنی میں دیکھا۔ وہ انھیں بہت عزّت دینے لگے اور کبھی کبھی اسکول کے اوقات کے بعد فٹ بال کھیلنے کی دعوت بھی دینے لگے اور یہ دیکھ کر وہ بہت خوش اور حیرت زدہ ہو گئے کہ شنکرن جس ٹیم کے لیے کھیلتے اس ٹیم کی ضرورت بن جاتے۔

ایک بار جب وہ ہائی اسکول کے دوسرے سال میں تھے، ایک واقعے نے نہ صرف ان کی فٹ بال سے دل چسپی ختم کر دی بلکہ انھوں نے سرے سے یہ کھیل ہی چھوڑ دیا۔ وہ کچھ دنوں کے لیے اپنے چچا کے یہاں رہنے گئے تھے ان کی وہاں کے لڑکوں سے دوستی ہو گئی اور وہ ان کے ساتھ فٹ بال کھیلنے لگے۔ وہ

سب شنکرن سے کافی بڑے تھے اور بہت قرینے سے کھیلتے تھے۔ وہ میدان کے دونوں طرف باقاعدہ گول پوسٹ بناتے۔ یہ گول پوسٹ میدان میں دو لمبی بلّیاں گاڑ کر بنائے گئے تھے......

شنکرن میدان میں گول پوسٹ بنانے کے لیے کھدائی میں ان کی مدد کر رہے تھے کہ اسی بیچ ایک بلّی پھسل کر ان کے داہنے پیر کے انگوٹھے پر جاگری۔ وہاں کا ناخن ٹوٹ گیا اور بلّی کا کونا انگوٹھے میں جاگھسا۔ زخم پک گیا اور انھیں اسپتال داخل کروانا پڑا۔ انھیں تقریباً پندرہ دنوں سے زیادہ درد برداشت کرنا پڑا۔ وہ ناخن آج بھی انھیں اس دردناک واقعے کی یاد دلاتا رہتا ہے جس کی وجہ سے انھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے فٹ بال چھوڑنی پڑی۔

کشتی کی دوڑ ایک ایسا دلچسپ کھیل تھا جس کا جوان اور بوڑھا ہر ایک مویلی کارا میں شدّت سے منتظر رہتا اور اسے خوب پسند کرتا تھا۔ مانسون میں جب لگاتار بارش ہوتی ہے اور ندیوں کا پانی سات آٹھ فٹ تک بڑھ جاتا ہے تو اسکولوں کی چھٹی کر دی جاتی ہے۔ اس دوڑ کے لیے دس سے بارہ یا کبھی کبھی پندرہ یا بیس کشتیاں کرائے پر لی جاتی ہیں۔ ان کشتیوں میں تقریباً بیس سے پچیس لوگ بیٹھ سکتے ہیں۔

شنکرن بھی اس دوڑ میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا کرتے۔ دوڑ بہت ہی ہنگامے کے ساتھ شروع ہوتی اور ندی کے اطراف کھڑے لوگ کشتی دوڑ میں حصّہ لینے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے اور جب دوڑ ختم ہوتی تو کشتی کو ندی کے کنارے لانا بھی ایک کام ہوتا۔ کیوں کہ ان کشتیوں کے اپنے وزن کی وجہ سے ہی ڈوب جانے کا خطرہ بنا رہتا۔

ایسے ہی ایک موقعے پر شنکرن اور ان کے دوست بہت جوش و خروش سے کشتی دوڑ میں حصّہ لے رہے تھے۔ مقابلے میں حصّہ لینے والے اسکول کے ایک استاد نے کشتی پر کھڑے ہو کر کشتی تیز دوڑانے کے لیے بچّوں کی حوصلہ افزائی کرنی شروع کر دی۔ لیکن اچانک ہی ان کا توازن بگڑا اور وہ ندی میں گر پڑے۔ سبھی لڑکوں نے ان پر ہنسنا شروع کر دیا لیکن جب دیکھا کہ وہ پانی میں ہاتھ ہلا ہلا کر مدد کی التجا کر رہے ہیں تو وہ سب رُک گئے۔ ان کے یہ استاد تیرنا نہیں جانتے تھے۔ ان کی ہنسی مدد کرنے کی ترکیب لگانے میں بدل گئی اور کچھ ماہر تیراک اس استاد کو بچانے کے لیے پانی کے تیز بہاؤ میں کود پڑے۔ شنکرن بھی ان میں سے ایک تھے۔ پانی کے تیز بہاؤ کی مخالف سمت تیرتے وہ سب ڈوبتے ہوئے استاد کو بچانے کی انتھک کوششیں کرنے لگے۔

اسی دوران چاروں طرف یہ بات پھیل گئی اور ندی کے کنارے کھڑے لوگ آگے کی خبروں کا بے

1938 میں جنیوا میں ایک دوست کے ساتھ

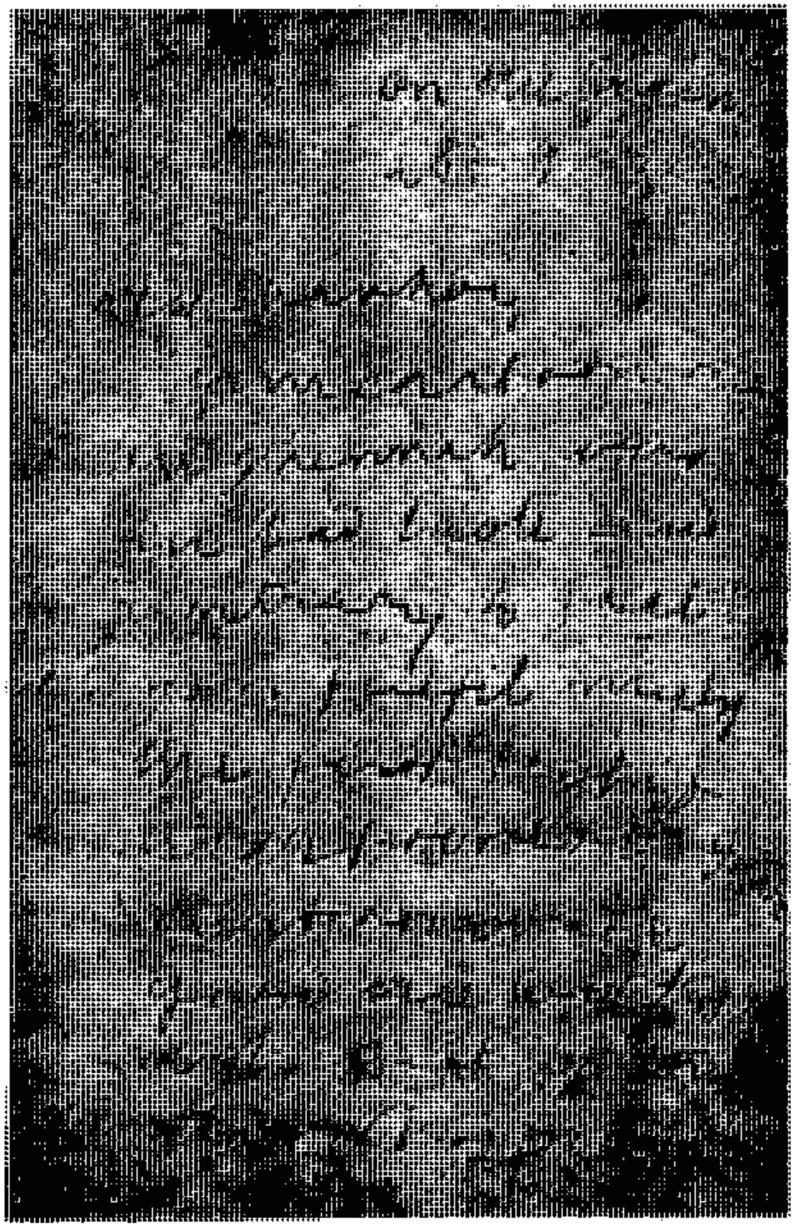

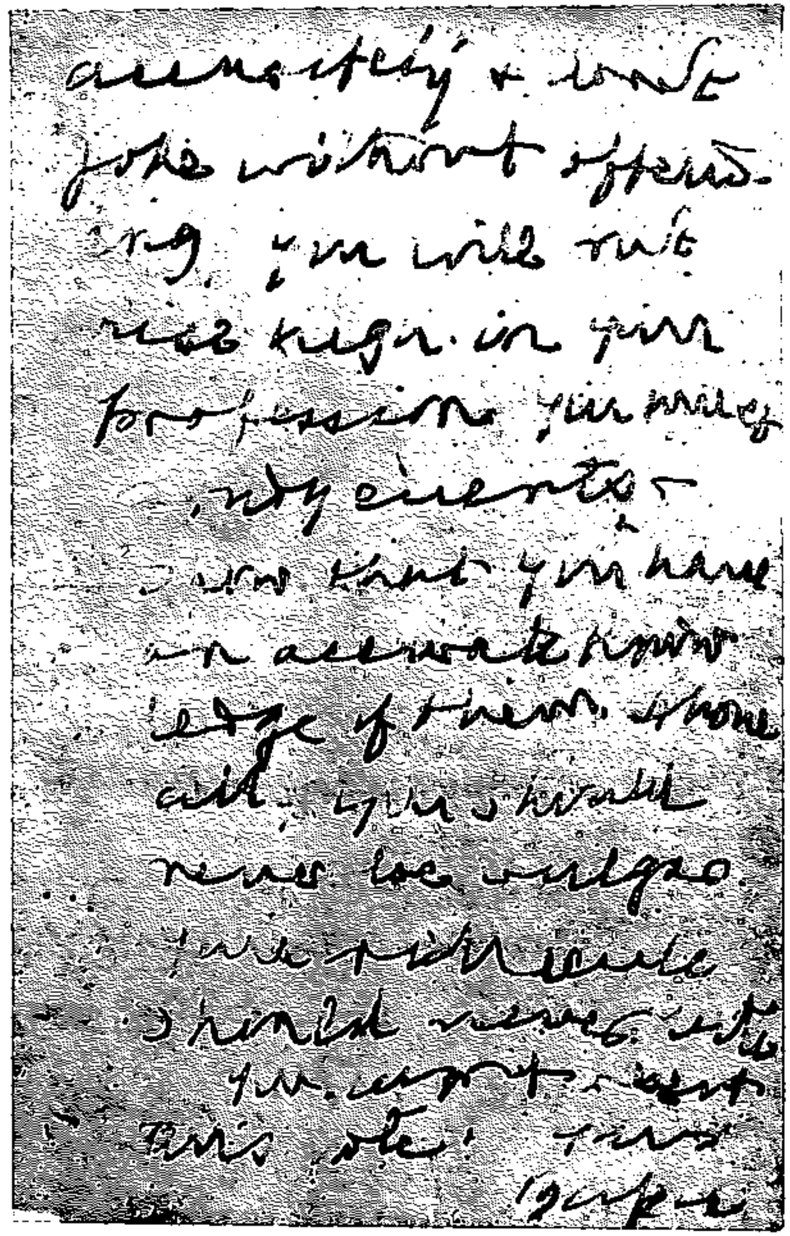

accurately & crack
jokes without offend-
ing. you will rise
very high in your
profession. you may
study events &
see that you have
an accurate know-
ledge of them. above
all you should
never lose temper
[illegible]
should never [illegible]
[illegible]
this etc! yours
Bapu

Gandhiji's letter

1942- شنکر کا پورٹریٹ

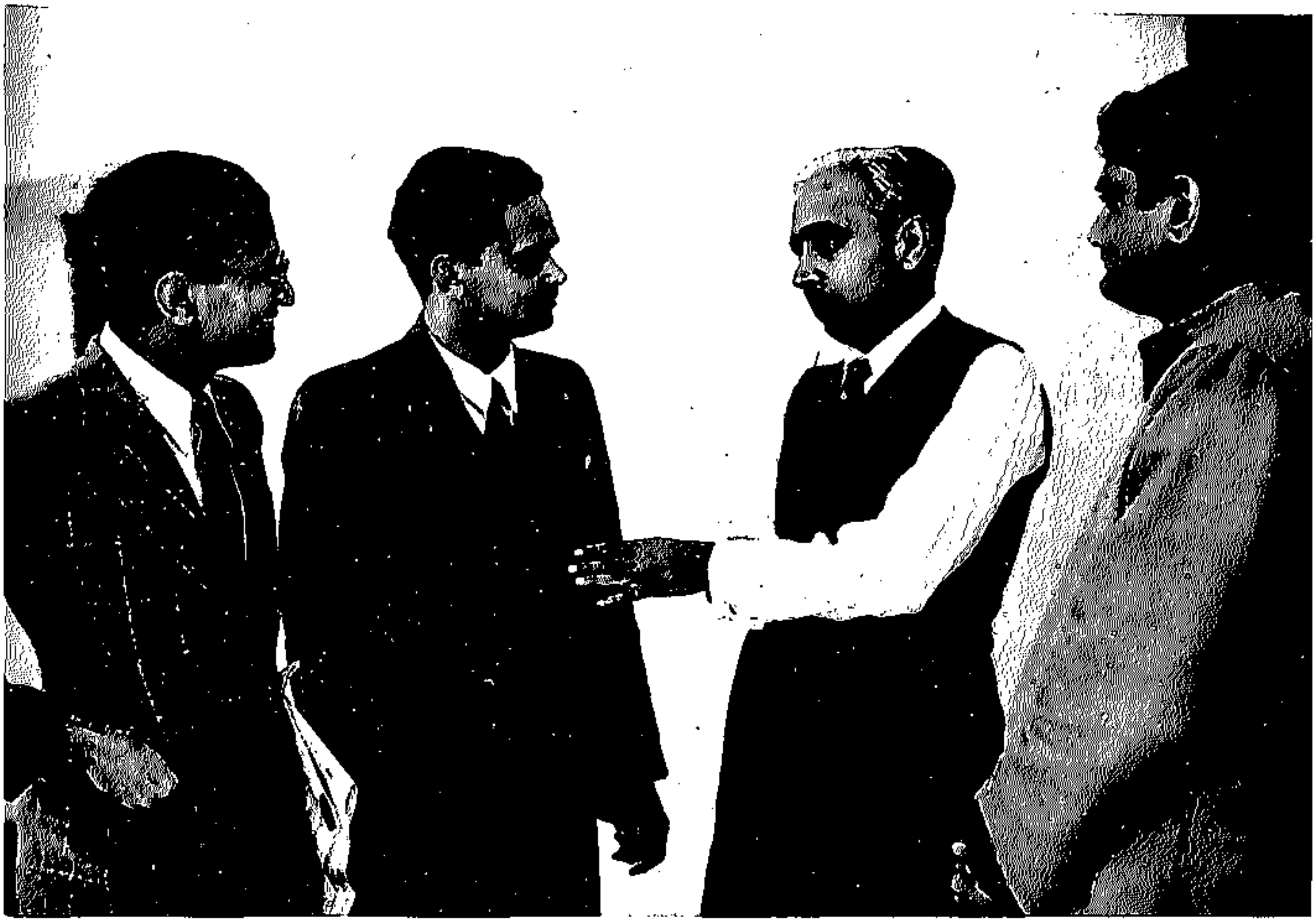

1944- ہندوستان ٹائمز میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ

بے تابی سے انتظار کرنے لگے۔اسکول کے ہیڈ ماسٹر سب سے زیادہ پریشان تھے۔ چیخ و پکار سن کر وہ ندی کے کنارے آگئے۔ نہ صرف استاد بلکہ بچّوں کی زندگی بھی داؤ پر لگی تھی۔ تبھی اچانک ندی کے دوسرے کنارے سے خوشی کی ایک لہر دوڑی۔ استاد کو محفوظ کنارے پر لایا جا چکا تھا۔

جیسے ہی کامیاب جلوس کنارے کی طرف بڑھا، ہیڈ ماسٹر نے شنکرن کو اس کی رہنمائی کرتے دیکھا۔ انھوں نے دوڑ کر اسے گلے لگالیا اور خوشی سے چلّاتے ہوئے کہا "جب مجھے پتا چلا کہ تم وہاں موجود ہو تو میں مطمئن ہو گیا تھا"۔

گرمیوں کی لمبی چھٹیوں میں شنکرن ہمیشہ گھر جانے کا انتظار کرتے تاکہ وہ اپنی پسندیدہ جگہوں پر گھوم سکیں اور بچپن کی حسین یادوں کو تازہ کرسکیں۔ وہ جب کہ بڑے ہو چکے تھے لیکن اپنی دادی ماں کے لیے ننھے شنکرن ہی تھے۔ وہ گھر بھر میں اُن کے پیچھے پیچھے گھومتی یہ پوچھتی رہتیں کہ وہ کیا کھانا پسند کرے گا اور ان کی پوری کوشش ہوتی کہ وہ ان کی پسند کے سارے کھانے تیار کرلیں۔ شنکرن کو سب سے زیادہ کٹہل پسند تھے۔ وہ اسے کسی بھی شکل میں کھانے کو تیار رہتے۔ چاہے وہ پیڑ کا پکا کٹہل ہو یا بطور سبزی کے پکایا ہو یا پھر پیاسم (Payasam) مٹھائی کی شکل میں کیوں نہ ہو۔ پیڑ پر اگر اسے وہ کچّا لٹکا دیکھ لیتے تو اپنا صبر کھو دیتے اور کسی چھڑی سے اسے چھیڑتے رہتے۔ ان کا ماننا تھا کہ اسے جلدی پکانے کا یہی ایک طریقہ ہے۔ آج بھی جب کہ وہ اسّی سال پار کر چکے ہیں اس پھل کو وہ اتنا ہی پسند کرتے ہیں۔

کھانا پکانے میں ان کی دل چسپی برقرار رہی۔ وہ اکثر باورچی خانے میں ذائقہ دار پکوانوں میں پڑنے والے مصالحوں کا بغور مشاہدہ کرتے۔ کبھی کبھی سارا کھانا اکیلے ہی بنالیا کرتے اور ان کے والد تک ان کے کھانوں کی تعریف کرتے۔

مویلی کارا کے آخری دنوں میں شنکرن اپنے دوستوں کے ساتھ ایک چھوٹے سے مکان (لاج) میں رہنے چلے گئے۔ شروع میں انھوں نے ایک باورچی رکھا لیکن وہ بہت کم عرصے ان کے ساتھ رہ پایا۔

ان نوجوان لڑکوں میں سے کوئی بھی چھوٹی موٹی چوری یا جھوٹ برداشت نہیں کرتا۔ وہ سب اپنے جیب خرچوں سے سارے اخراجات مل بانٹ کر پورا کرلیتے۔ جب بھی نوکر بھاگ جاتے یا بھگا دیے جاتے جو کہ اکثر ہوتا رہتا تو اگلا انتظام ہونے تک کھانا پکانے کی ذمے داری ان پر آن پڑتی تب شنکرن خاص خانساماں ہوتے۔ کسی بھی مصیبت کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے والی خاص فطرت کی وجہ سے وہ بازار جاتے، سبزیاں اور ضرورت کی باقی چیزیں خریدتے اور اس بات کا خیال کرتے کہ ان کے دوست بھی

کام میں برابر کا حصہ لیں۔ کھانا بڑا ذائقے دار بنتا اور اس سے شنکرن کی دوسرا کھانا بنانے میں بڑی حوصلہ افزائی ہو جاتی۔ یہ سلسلہ نئے نوکر کے آنے تک جاری رہتا۔ اپنی دادی ماں کے گھر میں جس بچّے کو کھانا پکانے کی کبھی اجازت نہ ملی ہو اس کے لیے یہ بہت بڑی بات تھی۔ ان کی یہ مہارت شنکرن کی زندگی کے آگے کے سالوں میں کام آنے والی تھی۔

ہائی اسکول کے چار سال بڑی جلدی گزر گئے۔ لمبے خوب رو نوجوان کی شکل میں بدلے شنکرن کے ان چار سالوں کی یادیں کافی خوشگوار تھیں۔

وہ اکثر شرارتیں کرنے میں مشغول رہتے اور اسکول اور باہر کے لوگوں کی شکلوں کے خاکے بناتے ہوئے پکڑے جاتے۔ لیکن امتحانات میں بھی بہت اچھی پوزیشن لاتے۔ ان کے استاد ان سے کافی متاثر تھے۔

شنکرن نے اس کے بعد کبھی مڑ کر نہیں دیکھا۔ کائیمکلم کی یادیں اب اتنی تکلیف دہ نہیں رہ گئیں جیسا کہ پہلے وہ ان یادوں سے پریشان ہو جایا کرتے تھے۔ مستقبل ان کا منتظر تھا۔ انھوں نے آج کے کیرالا اور ان دنوں کے تراونکور (Travancore) کی راجدھانی تریوندرم کے ایک کالج میں پڑھنے کا فیصلہ کیا۔ شنکرن ایک اچھے کالج میں پڑھنے کے خواہش مند تھے کیوں کہ مویلی کارا میں کوئی کالج نہیں تھا اس لیے انھوں نے اپنے چچیرے دادا کو تریوندرم جانے کی اپنا خواہش کے بارے میں آگاہ کیا اور دادا ان کے اس فیصلے سے کافی خوش ہوئے۔ انھوں نے شنکرن کو جواب دیا "اچھی بات ہے، ایسا ہی ہو گا"۔

4

پانچ میل لمبے ساحلی کنارے والے تریوندرم کی خوب صورتی دیکھتے ہی بنتی ہے۔ حدِ نظر پھیلی ہریالی کو جگہ جگہ جانے والی سڑکیں ہی توڑتی ہیں۔ پچھلے تراونکور (Travancore) کے مہاراجوں کے شاندار محل اور فنونِ لطیفہ کی شاندار عکاسی کرتے ہوئے مندر بھی موجود ہیں۔ صفائی ستھرائی نہ صرف کیرالا کے گاؤں بلکہ یہاں کے لوگوں کو بھی بہت محبوب ہے۔ آپ کہیں بھی جائیں یہاں کے لوگ بے داغ سفید دھوتی (جنھیں مُنڈو کہا جاتا ہے) اور قمیص پہنے نظر آئیں گے۔ ان کے بالوں میں تیل ہمیشہ لگا رہتا ہے جن پر سلیقے سے کنگھا کیا ہوتا ہے۔

عورتیں زیادہ تر سفید ساڑی یا پھر پتلے بارڈر کے لہنگے اور بلاؤز میں ملبوس رہتی ہیں۔ ان کے لمبے لمبے، دھلے ہوئے تیل لگے چمکتے کالے بال خوب صورتی سے گندھے اتنے ہی پیارے لگتے جتنی کاجل لگی ان کی چمکتی ہوئی کالی آنکھیں۔ شنکرن کو کیرالا کی ان عورتوں کی جاذبیت پر بڑا فخر تھا۔

وہ 1925 کے ان دنوں کو اکثر یاد کرتے جب وہ تریوندرم کے مہاراجہ کالج آف سائنس میں جونیر بی.اے کی پڑھائی کر رہے تھے۔ اس سال گاندھی جی تریوندرم آئے تھے۔ اس وقت تک قومی تحریک نے ایک شکل اختیار کر لی تھی۔ اپنے لوگوں اور ملک کو قریب سے جاننے کے لیے گاندھی جی پورے ملک کے دورے پر نکلے تھے۔ تریوندرم میں گاندھی جی ہر طرح کے لوگوں سے ملے۔ وہ سیاسی نیتاؤں اور جماعت کے کارکنوں سے بھی ملے اور مہاراجہ کالج کے طالبِ علموں سے بھی ملے۔

شنکرن نے اس واقعے کو یاد کرتے ہوئے کہا "اسی شام گاندھی جی نے عورتوں کے وسیع مجمع کو خطاب کیا۔ وہ کچھ وقفے تک کچھ بولے ہی نہیں بس عورتوں کو دیکھتے رہے۔ ماحول میں پُر سکوت سنّاٹا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے بولنا شروع کیا۔ مجھے کیرالا کی عورتوں سے پیار ہو گیا ہے۔ انھوں نے کہا "میں پچھلے دس منٹ سے چاروں طرف دیکھ رہا ہوں اور مجھے کوئی رنگ نہیں نظر آ رہا ہے۔ آپ سبھی سفید رنگ پہنتے ہیں جو کہ بے داغ سفید ہیں۔ میں آپ سب کی عزّت اور احترام کرتا ہوں"۔ گاندھی جی بذاتِ خود سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔

عام دنوں میں صبح سویرے اپنے سازے کام نپٹا کر بوڑھے مرد اور عورتیں مندروں میں جایا کرتے، باقی لوگ اپنے اپنے کاموں پر یا اسکول اور کالج جاتے۔ ان کا چاہے جو بھی درجہ ہو یا کام ہو سب کی ایک مشترکہ بات یہ تھی کہ وہ سب بے داغ صاف اور صرف سفید کپڑے پہنتے تھے۔ اور اسی خوب صورت تریوندرم شہر میں شنکرن نے اپنی زندگی کے کچھ بہترین سال بتائے۔ کالج کے کچھ سال موج مستی کے تھے۔ وہ قیمتی سال جو ذمے داریوں سے لداہر انسان آنکھوں میں سجائے رہتا ہے ساٹھ سال سے بھی زیادہ کا عرصہ بیت گیا ہے مگر اب بھی شنکرن کی یادوں کے خزانے میں کالج کے وہ پانچ سال بہت اہم ہیں۔ وہاں کے لوگ اس خوب رو نوجوان کو جو کہ روزانہ کالج سے لاج (Lodge) جہاں وہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ رہتے تھے اور لاج سے کالج آیا جایا کرتے تھے، کے بارے میں اچھی طرح اندازہ لگا سکتے ہیں۔

کسی کے پاس سائیکل کا ہونا اس زمانے میں ایک آسائش کی بات ہوتی تھی اور شنکرن پہلے شخص تھے جن کو موٹر سائیکل ملی تھی۔ ان کے چچا جو ان کا مستقبل بہتر بنانے کے لیے بمبئی میں جا بسے تھے، کے یہاں شنکرن نے اپنا پہلا سال مکمل ہونے پر جانے کا فیصلہ کیا۔ بغیر کسی اطلاع کے وہ بمبئی جا پہنچے۔ بلا شبہ وہاں ان کا وقت بہت اچھا گزرا۔ "یہ چھٹیاں بہت ہی پُر مسرّت اور سیر و تفریح سے بھرپور رہیں۔ بمبئی کے مشہور مقامات کی سیر کی۔ خوب اچھے کھانے کھائے اور رشتے داروں سے خوب سارے تحائف بھی ملے۔ آخر میں چچا نے ان کو تریوندرم جانے سے پہلے اچھے خاصے روپے بھی دیے"۔ شنکرن نے یاد کرتے ہوئے کہا۔

اس زمانے میں بمبئی سے تریوندرم جانے کے لیے کوئی براہِ راست ٹرین نہیں تھی۔ مدراس میں گاڑی تبدیل کرنی پڑتی تھی۔

"میں نے مدراس میں ایک دن گزارا اور اپنے لیے ایک بہترین سائیکل خریدی"، شنکرن نے فخریہ کہا۔ شنکرن نے مہاراجہ کالج آف سائنس سے تعلیم حاصل کی۔ یہ ایک بے حد شاندار عمارت تھی جو مہاراجہ نے کالج کے لیے وقف کر دی تھی۔ ان کے چچا جو بمبئی میں رہتے تھے ان کی فیس اور دیگر اخراجات کے لیے روپے بھیجا کرتے تھے جس سے ان کی ضرورتیں بہت کشادگی سے پوری ہو جاتیں۔

شنکرن کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا۔ اپنے دوستوں کا ساتھ وہ خود بہت پسند کرتے تھے اور جب بھی ان کی تواضع کا وقت آتا بہت فراخ دلی کا ثبوت دیتے۔ وہ پہلے سال ہی میں کالج میں بے حد مقبول ہو گئے۔ ان کے ڈرامائی کردار کو کچھ لکچرار نے نوٹ کر لیا تھا کیوں کہ وہ اکثر اپنے ساتھیوں کی بہت اچھی نقل کیا کرتے تھے۔ ایک بار ہاسٹل کے طالبِ علموں کے ذریعے کیے گئے ایک ڈرامے میں انھوں نے بہترین

ہیروئن کا کردار بخوبی نبھایا۔ اس وقت کالج میں ان کا پہلا سال تھا۔ اس کے بعد کالج کا کوئی ڈرامہ یا جلسہ بغیر شنکرن کی شرکت کے پورا نہیں ہوتا۔

ایسے موقعوں پر وہ لیڈر بن جاتے اور اپنے بہت سارے شرمیلے اور اکیلے رہنے والے ساتھیوں کو بھی حصّہ لینے کے لیے اکسایا کرتے۔ جس حوصلے اور جذبے سے وہ ان موقعوں پر چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھتے، معمولی جلسہ بھی اس کے نتیجے میں بہت کامیاب ہو جاتا۔ بہت سارے ڈراموں میں شنکرن کو خاص رول دیے جاتے اور جلسے کو ترتیب دینے کی ذمے داری بھی ان ہی کی ہوتی۔

گو کہ وہ بہت زیادہ ربط ضبط رکھنے والے انسان نہیں تھے پھر بھی اسٹیج پر انھیں کسی جھجک یا پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ رول وہ بخوبی نبھاتے اور ان کی ہدایت کاری شاندار ہوا کرتی تھی۔ بوڑھی جھاڑو لگانے والی عورت کا ایک خاص رول تھا۔ ان کے دانتوں کو کالا کر دیا گیا تھا تا کہ وہ بغیر دانتوں کے نظر آئیں۔ اس بڑھیا کی بھدّی اداؤں کا مظاہرہ شنکرن نے کچھ اس طرح کیا کہ پورا ہال ہنسی اور قہقہے سے گونج اٹھا۔ ڈرامہ ختم ہونے پر کالج کے پرنسپل، وہاں کے چند خاص لوگ اور ان کے مدّاحوں نے اسٹیج کے پیچھے آکر انھیں مبارک باد دی۔

جلد ہی تروندرم میں ان کے نام کا چرچا ہو گیا۔ وہ "الّی کولم شنکرا پلّئی (Illikulam Shankara Pillai) کے نام سے مقبول ہو گئے۔ الّی کولم ان کے آبائی گھر کا نام تھا۔ یہ تریوندرم کے ہندوؤں کی خاص روایت تھی کہ وہ اپنے نام کے آگے مشترکہ خاندان کا نام ضرور لگایا کرتے تھے۔ ان کے اندر توانائی اور اپنا مقصد حاصل کرنے کا جذبہ کبھی بھی کم نہیں ہونے والا تھا۔ 1924 میں تراونکور میں آئے زبردست سیلاب نے وہاں موجود ہر اسکول، کالج اور تنظیم کے لوگوں کے لیے یہ انسانیت کے ناطے لازمی کر دیا تھا کہ وہ پیسے، کپڑوں اور کھانے کی شکل میں مدد کریں۔ مہاراجہ کالج نے بھی کچھ روپے اور سامان اکٹھا کیا اور ضروری چیزوں اور طالب علموں کو چھوٹے چھوٹے گروپ میں بانٹ دیا گیا۔ ہر گروپ میں کام کرنے کا جذبہ ایک مقابلے کی شکل اختیار کر گیا۔ شنکرن پلّئی کے گروپ نے بقیہ سارے گروپوں سے زیادہ چیزیں اکٹھی کیں۔ ان کے کام کو کالج کی اسمبلی میں بھی سراہا گیا۔

اپنے تیسرے سال میں وہ کالج کے سالانہ جلسے کے سکریٹری منتخب ہوئے۔ دل چسپ الیکشن کی بھاگ دوڑ شروع ہوئی اور شنکرن کا اکثریت سے جیتنے کے بعد انتخاب سکریٹری کے لیے ہوا۔ کالج کا نام بلند کرنے کا ان کے اندر جذبہ اور بڑھ گیا۔ ڈرامے، کھیل کود اور تقاریر کے انھوں نے انٹر کالج مقابلوں کا اہتمام کیا۔ کالج کا سالانہ جلسہ بہت دھوم دھام سے منایا گیا۔ بہت سارے روپے جمع کیے جاتے اور

خرچ بھی ہوتے۔ ساری خدمات شنکرن بہت خوش اسلوبی سے نبھاتے۔

انھیں ٹینس بہت پسند تھا۔ ہر روز کالج کے بعد وہ لوگ کچھ وقت نیٹ پر اس کی مشق ضرور کرتے۔ وہ اسکاؤٹ ماسٹر ٹریننگ کیمپ میں بھی بہت مقبول تھے۔ شنکرن اپنی حاضر جوابی کے لیے بہت مقبول تھے۔ کالج کے لکچرار ان کی اس بات سے گھبرا یا کرتے۔ جب بھی کالج میں کوئی معرکہ یا جلسہ ہوتا اس کے لیے بنائے گئے اشتہاروں میں اپنے لکچراروں کو وہ اپنے کارٹون میں ضرور نشانہ بناتے۔ دیواروں کے پاس گزرتے لوگوں کا ان اشتہاروں کے دیکھنے کے بعد قہقہہ ضرور سنائی دیتا۔ کچھ لکچرار جن کے مزاج میں شگفتگی تھی شنکرن سے درخواست کرتے کہ وہ انھیں یہ اشتہار ایک یادگار نشانی کے طور پر دے دیں۔ اس دوران کسی نے بھی ان کی پڑھائی یا نصابی ترقی کی شکایت نہیں کی۔ انھوں نے بہت دل جمعی سے کالج کی میگزین کے لیے مضامین لکھے اور خاکے بھی بنائے۔ 1927 میں سائنس کی ڈگری کے ساتھ ان کا سندی امتحان پورا ہوا۔

شنکرن کے مضامین بہت ہی دل چسپ ہوا کرتے جو انھیں ایک بار پڑھتا تو دوبارہ پڑھنا چاہتا۔ آخر کے دو سالوں میں ان کے لکھے مضامین کو اکثر کالج کے اسمبلی ہال میں پڑھا گیا۔ لیکن شنکرن کو یہ بھی ضرور یاد رہا کہ ان مضامین کو پڑھنے کے بعد ایک پروفیسر توڑ موڑ کر کنارے پھینک دیا کرتے تھے جو کہ ان کے لیے تکلیف دہ تھا۔ بلاشبہ وہ جانتے تھے کہ پروفیسر ایسا کیوں کرتے تھے۔ انھوں نے شرمیلے پن سے کہا کہ "وہ میری بچّے سے بہت خوف زدہ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ایک طویل مدّت تک میں نے کچھ لکھنے کی کوشش نہیں کی"۔

شنکرن پلئی کا ایک اور پسندیدہ مشغلہ ان کا قدرتی مناظر سے پیار اور نئے لوگوں سے ملنا اور نئے مقامات کو دیکھنے کی خواہش تھی۔ اپنے کالج کے زمانے میں ہی انھوں نے اپنی یہ خواہش چھٹیوں کے دوران پوری کی۔ ان کے ساتھ ان کی سائکل ہوا کرتی۔ وہ اپنے ساتھ کچھ پیسے اور دو جوڑے کپڑے ایک بیگ میں رکھ لیتے اور بغیر کسی خاص منصوبے کے وہ نکل جایا کرتے۔ ان کے دوست چوٹ کرتے کہ اب شنکرن اسی وقت لوٹیں گے جب سیر کرنے کے لیے کاٹنے والا کیڑا انھیں چھوڑ دے گا اور شنکرن پلئی ایک قصبے سے دوسرے قصبے نئے لوگوں کو جاننے کی تلاش اور پرانے لوگوں کو نئی طرح سے جاننے کی خواہش میں چلے جاتے۔ رات ان کے گھروں میں بسر کرتے اور اگلی صبح پھر نئی منزل کی طرف نکل جاتے۔

جب بھی کسی مندر میں آرام کی خاطر یا راستے میں تھوڑی سی مہلت لینے کو وہ رُکتے وہاں سے گزر رہے لوگوں سے بات چیت ضرور کرتے۔ وہ لوگ ان کی یہ دل چسپ سیاحت کے بارے میں سن کر انھیں

اپنے گھر لے جاتے یا کھانے پر ضرور مدعو کرتے۔ اس طرح ان کی رات بسر کرنے کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا۔ ایسے میں کچھ ان کو اپنی لڑکیوں کے لیے مناسب ور کی شکل میں دیکھتے تو کچھ بزرگ لوگ ان کی بے مقصد سیاحت کو بڑی تنقیدی نگاہ سے دیکھتے۔ بہر حال شنکرن کو کبھی بھی رات گزارنے کے لیے پناہ ڈھونڈنے میں دشواری نہ ہوئی۔ شنکرن نے اپنے اس سفر سے بہت کچھ سیکھا۔ اس سفر نے ان کو ٹراونکور اور اس کے لوگوں کے بارے میں جاننے کے بہت مواقع دیے۔ قدرت کی خوب صورتی اور گہرائی اور اس کا لوگوں کے لباس اور ضرورتوں پر کیا اثر پڑتا ہے، یہ انھوں نے جانا۔ ان کے لیے یہ ایک بڑا علم تھا۔

کالج کے دنوں میں ایک بار ان کو خبر ملی کہ ماں کی طبیعت ناساز ہے، فکر مند ہو کر انھوں نے گھر جانے کا فیصلہ کیا۔ اپنی سائیکل لے کر وہ ریلوے اسٹیشن پہنچے وہیں سائیکل رکھی اور کویلون (Quilon) کے لیے ٹرین میں بیٹھ گئے۔ کویلون سے ان کی ماں کا گھر تقریباً 28 میل کے فاصلے پر تھا۔ رات انھوں نے اپنے ایک دوست کے گھر گزاری اور صبح ایک کپ گرما گرم کافی کے بعد سائیکل پر اپنی بیمار ماں کی طرف چل دیے۔ جیسے ہی وہ اپنی ماں کے گھر کے احاطے میں داخل ہوئے انھوں نے اپنی ماں کو برآمدے میں صحت مند بیٹھا پایا۔ اس وقت انھیں اندازہ ہو گیا کہ خبر جھوٹی تھی مگر اس بات کی خوشی بھی رہی کہ وہ اپنی ماں سے مل لیے۔ یہ لمحہ دونوں کے لیے مسرّت کا باعث تھا۔

کالج کا پہلا سال ہاسٹل میں گزارنے کے بعد وہ ایک پرائیویٹ مکان میں منتقل ہو گئے اور کچھ ہی دنوں میں ان کا کمرہ دوستوں کا آماجگاہ بن گیا۔ جہاں وہ اکٹھے پڑھتے، ایک دوسرے کو بے وقوف بناتے اور کبھی کبھی وہیں بستروں میں آڑے ترچھے سو بھی جاتے۔

شنکرن پلئی کو لوگوں کو اپنے ساتھ رکھنا بہت محبوب تھا۔ یہ جذبہ زندگی بھر ان کے ساتھ رہا۔ ان کی گرم جوشی، فراخ دلی اور میزبان مزاجی نے ان کو بہت سارے دوست عطا کیے جن میں کچھ مطلب پرست تھے تو کچھ بہت عزیز، مگر شنکرن نے کبھی بھی ان کو مایوس نہیں کیا۔ اپنی زندگی کے آخری سالوں میں بھی انھوں نے اپنے دوستوں کی مدد کی ہے اور یہ خصوصیت اب بھی ان میں موجود ہے۔

اس دوران اپنے مکان میں انھوں نے امور خانہ داری کے فن سے بھی اپنے دوستوں کا دل جیت لیا۔ ان کے نام لینے کی دیر ہوئی اور وہ پکوان شنکرن پلئی تیار کر دیتے۔ مویلی کارا میں ہائی اسکول کے دوران حاصل کیا گیا تجربہ ہی اس ماہر فن کا راز تھا۔

شنکرن پلئی نے 1927 میں مہاراجہ کالج سے سائنس کی ڈگری حاصل کی۔ ان دنوں جلسہ تقسیم اسناد مدراس

میں ہوا کرتا تھا۔ شنکرن کی زندگی میں مدراس جاکر ڈگری حاصل کرنا بہت ہی فخر کا لمحہ تھا۔

تریوندرم میں تفریح اور آزادی کے ان تین سالوں کے دوران شنکرن کی ملاقات ان سے دس سال چھوٹی ایک دوشیزہ سے ہوئی۔ تھنکم ایک فوجی افسر کی بیٹی تھی جس کی پرورش سخت ہدایات اور ضبط کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس زمانے میں ایک نوجوان لڑکے اور لڑکی کا کھلے عام ملنا جلنا اور باتیں کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ شروع شروع میں ان دونوں کی ملاقات صرف اسکول جاتے یا واپس آتے میں ہو جایا کرتی تھی جو کہ بڑی خاموش ہوا کرتی۔ دونوں ایک لفظ بھی نہ بول پاتے۔

دونوں میں سے کوئی بھی یہ یاد نہیں کرپایا کہ کیسے اور کب انھوں نے یہ محسوس کر لیا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے ہی بنے ہیں۔ شنکرن نے آنکھوں میں چمک بھر کر کہا کہ "بے ساختہ ہو گیا" ایک دن بڑے رازدارانہ طور پر شنکرن نے اپنے دوستوں کو وہ لڑکی اسکول سے واپس لوٹتے ہوئے دکھائی۔ اس کے ہاتھ میں کتاب بھی تھی۔ لمبے بالوں کی چوٹی بنی تھی اور ایک شوخ گلاب بالوں میں پھنسا تھا۔ انھیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ حیرت زدہ ہو کر انھوں نے کہا "لیکن یہ تو بہت چھوٹی ہے"۔ وہ اس وقت صرف دس سال کی تھی۔

شنکرن پلئی نے بڑے سکون سے جواب دیا "جی ہاں! لیکن میں اس کو پسند کرتا ہوں"۔ شنکرن نے اپنے خاندان سے بتایا کہ یہ اس زمانے کی ایک بہت دل چسپ کہانی ہے۔ پورے تریوندرم میں ایک خبر پھیل گئی کہ شنکرن ایک خاتون کے عشق میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ ایک دن ان کے پرنسپل پروفیسر سی. وی. چندر شیکھرن نے ان کو طلب کیا اور ڈانٹا۔ کہنے لگے تم تو میرے کالج کا ایک ہیرا ہو تم نے اس چکر میں پڑ کر اپنے کردار کو کیوں برباد کر ڈالا! انھیں میں ان کی کار میں بیٹھ کر اس لڑکی کو دکھانے لے گیا۔ گاڑی کنارے پارک کر کے پروفیسر صاحب تجسس سے اس کا انتظار کرنے لگے۔ میں نے ایک نوجوان لڑکی جو کہ اپنے دوستوں کے ساتھ اسکول سے لوٹ رہی تھی، کی طرف اشارہ کیا۔ پروفیسر صاحب بڑے زور سے ہنسے۔ کئی سالوں بعد ہم نے شادی کی۔ وہ ہمارے گھر دلی آئے اور کچھ دنوں ہمیں میزبانی کا شرف بخشا۔

شنکرن پلئی کے کچھ دوستوں کی تھنکم کے بڑے بھائی سے بھی اچھی دوستی تھی۔ ان کے ساتھ وہ اس کے گھر جایا کرتے تھے۔ وہاں اسے باتیں کرنے کا تو کوئی موقع نہیں ملتا مگر اس کی ایک جھلک انھیں عجیب سی خوشی دے جایا کرتی۔ اس کے گیتوں کی مدھر آواز سننا، اس کا وائلن بجانا انھیں مدہوش کیے دیتا۔ انھوں نے اپنے آپ کو سارے گھر والوں کے اعتماد میں لینے کی پوری کوشش کی اور آخر کار تھنکم

کے گھر والوں نے انھیں قبول کر لیا۔ لیکن اس سے پہلے ان کو اپنا ضابطہ حیات بنانا اور خود کی اور بیوی کی کفالت کا بوجھ اٹھانے کے لائق بننا تھا۔ انھیں اپنے مستقبل کا فیصلہ کر خود ہی کرنا تھا۔

ایک بار پھر بمبئی میں رہنے والے چچا سے انھوں نے مدد مانگی۔ انھوں نے بالکل بھی وقت برباد نہیں کیا اور وہاں جا کر قانون پڑھنے کا فیصلہ کیا۔

پچیس سالہ نوجوان شنکرن پلئی تریوندرم کی ساری یادیں لیے بمبئی کے سفر پر روانہ ہوئے۔ ایک بہت بڑا شہر عروس البلاد۔ ان کے کیرالا سے بہت دور اور بہت مختلف بھی۔ جہاں وہ اپنے آپ کو اور اپنے مستقبل کو تلاش کرنے نکلے تھے۔

انھوں نے اس سرزمین کو جہاں وہ پیدا ہوئے، پلے بڑھے الوداع کہا۔ حالاں کہ وہ مستقل طور پر کبھی بھی کیرالا واپس نہ آئے۔ لیکن شنکرن پلئی کے دل میں کیرالا اور وہاں کے لوگوں کے لیے ایک بہت گہرا جذبہ اب بھی ہے۔ اس سرزمین کو بھی اتنی عظیم شخصیت پیدا کرنے پر فخر ہے جسے اب سے لوگ زیادہ بے تکلفی کے ساتھ شنکر کے نام سے جانیں گے۔

وینیسا گڈ فیلو (انگلستان) Vanesa Goodfellow (England)

اس نے مجھے نہایت شریف اور عقل مند انسان کی حیثیت سے متاثر کیا جو نہایت عمدہ امکانی طریقے سے اپنی دانش مندی کو سب تک پہنچانا چاہتا تھا۔ میں اسے خود کو پوشیدہ رکھنے والی شخصیت کے طور پر یاد کرتا ہوں جو خود نمائی سے باز رہنے والا معلوم ہوتا تھا تاہم اس قدر خوب صورتی سے بچّوں کے ساتھ بات چیت کر سکتا تھا۔ میں ان کے 'چلڈرن بک ٹرسٹ' قائم کرنے کے کارنامے اور آرٹ و ادب کو بچّوں میں فروغ دینے کے لیے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ تمام دنیا میں اُنھیں تہِ دل سے بے حد تعریف اور نذرانۂ عقیدت پیش کرتا ہوں۔

5

1927 میں بمبئی میں ملک کے ہر کونے اور زندگی کے ہر شعبے کے لوگ رہتے تھے۔ ایک ایسا شہر جس کے ہر باشندے کی نس نس میں جنگِ آزادی کی لہر دوڑ رہی تھی۔ بہر حال ایک ایسا خوب صورت شہر جو ہندوستان کے مغربی ساحل پر بحر عرب کے کنارے شان سے کھڑا ہے۔

لاء کالج کے پہلے برس کا طالبِ علم شنکرن اب تریوندرم کے موج مستی والے لڑکے سے کہیں زیادہ سنجیدہ ہو چکا تھا۔ ایک بار پھر اپنے چچا کی چاق و چوبند نگاہوں کے سامنے جنھیں اپنے بھتیجے سے قانون کی دنیا میں نام کمانے کی بڑی امیدیں تھیں۔

شنکرن نے اگرچہ قانون کی پڑھائی کو بہت سنجیدگی سے لیا لیکن انھیں اس میں کبھی بھی لطف نہیں آیا۔ وہ اپنی جماعت میں بڑی باقاعدگی سے جاکر بھی بے چینی محسوس کرتے تھے۔ ایسا اس لیے نہیں تھا کہ وہ اپنی پرانی ٹولی جو کہ کیرالا میں رہ گئی تھی، یاد کرتے تھے یا اپنی محبوبہ تھنکم کو بھی بھلا نہیں پا رہے تھے بلکہ بمبئی میں رہ کر وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ وہ جو کچھ بمبئی میں کر رہے ہیں وہ حقیقت میں کرنا نہیں چاہ رہے ہیں۔ وہ خود اس کو سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ قومی تحریک نے اپنی طرف ان کی توجہ مرکوز کر لی۔ ان کا پڑھائی میں دل نہیں لگ رہا تھا حالاں کہ پڑھائی صبح 9 بجے سے 10 بجے تک ہی ہوتی تھی۔ ان کی ساری دل چسپی ختم ہو گئی۔ انھوں نے کوئی روزگار تلاش کر کے پیر جمانے کی ٹھان لی۔ قانون پڑھنے کے پہلے سال کے دوران ہی انھیں بمبئی، بنگال، سنٹرل انڈیا (B.B.C.I) ریلوے میں روزگار مل گیا۔ مگر تین ہفتوں بعد ہی بوریت محسوس کرنے سے پہلے ہی انھوں نے قانون کی پڑھائی کو بھی خیر باد کہہ دیا۔ چچا کے لیے یہ بہت دُکھ دینے والی حرکت تھی۔

بقول شنکر اس طرح انھیں دوسری نوکری ملی۔ اس زمانے میں، میں ٹائمس آف انڈیا پڑھا کرتا تھا۔ ایک دن ان کی نظر ایک اشتہار پر پڑی "ضرورت تھی ایک اسٹینوگرافر کی، پوسٹ بکس نمبر فلاں فلاں" اس کے نیچے ایک اور اشتہار تھا "ضرورت ہے ایک جنرل کلرک کی" شنکر نے دوسرے اشتہار کے لیے درخواست دے دی مگر غلطی سے ڈاک نمبر پہلے اشتہار کا دیا۔ کچھ ہی دنوں بعد انٹرویو کے لیے بلاوا آگیا۔ انٹرویو جناب نروتم مرارجی (سندیا اسٹیم شِپ کمپنی کے بانی اور جہاز رانی کی ایک ممتاز شخصیت) کو

لینا تھا۔ انھوں نے پوچھا "تمھاری رفتار کیا ہے؟" شنکرن نے جواباً پوچھا "کیسی رفتار؟"۔ انھوں نے کہا "تمھاری مختصر نویسی (شارٹ ہینڈ رفتار)"۔ شنکرن نے کہا "وہ کوئی شارٹ ہینڈ نہیں جانتا"۔ انھوں نے پھر پوچھا "کیا تم ٹائپ کرنا جانتے ہو؟"۔ شنکر نے جواب دیا "کبھی کوشش کی تھی"۔ اس پر انھوں نے کہا "پھر تم نے اس نوکری کے لیے کیوں درخواست دی تھی؟"۔ شنکر نے جواب دیا "اشتہار دیکھ کر۔ مگر شاید میں نے غلطی کی ہے۔ میں معافی چاہتا ہوں"۔ انھوں نے زور سے بیٹھنے کو کہا اور حکم دیا "تم کیا جانتے ہو؟ کیا تمھیں کسی چیز سے دل چسپی ہے؟"۔ شنکر نے جواب دیا "میں ایک معمولی فن کار ہوں"۔ انھوں نے پھر پوچھا "کیا تم تھوڑی بہت اسکاؤٹنگ جانتے ہو؟"۔ شنکر نے کہا کہ "وہ ایک اسکاؤٹ ماسٹر تھے" اور اس جملے نے سارا کام کر دیا کیوں کہ وہ ایک ڈسٹرکٹ کمشنر (اسکاؤٹ) بمبئی میں تھے۔ انھیں ایک معاون کی ضرورت تھی۔ آخر انھوں نے پوچھا "ٹھیک ہے تم کتنی تنخواہ چاہتے ہو؟" شنکرن نے اپنے روزانہ اخراجات کو جوڑ کر جواب دیا "ڈیڑھ سو روپے"۔ ان کا جواب آیا کہ "گریجویٹ کو صرف پچاس روپے ماہانہ ملتے ہیں"۔ آخر سودا 100 روپے میں طے ہو گیا۔

حالاں کہ خوش قسمتی کی یہ ایک ہلکی سی لہر تھی جس نے ان دونوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا لیکن نہ مالک اور نہ ہی ملازم نے ایک دوسرے کو جاننے کے اس موقع کو چھوٹا سمجھا۔ جناب نروتم مرارجی نے شنکر میں ایک باصلاحیت پرائیویٹ سکریٹری کی ساری خصوصیات دیکھ لیں جو کہ حاضر جواب ہونے کے علاوہ اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے خود آگے بڑھ کر سارا کام نپٹانا جانتے تھے اور بعد میں شنکر کو ان کے خاندانی فرد کا رتبہ مل گیا۔

جناب مرارجی نے پیڈر روڈ پر واقع اپنے گھر میں شنکر کو رہنے کی دعوت دی۔ وہاں گیراج کے اوپر بالکل الگ تین کمروں کا حصہ تھا جہاں شنکر کو پوری آزادی حاصل تھی۔ یہ گھر ان کو بہت راس آیا۔ آج بھی ان سادہ اور لذیذ گجراتی کھانوں کا ذائقہ ان کو یاد ہے۔ جناب مرارجی کے یہاں قیام کے وہ سال یادگار تھے۔

کام زیادہ نہ تھا اور شنکر نے ایک بار پھر بے چینی محسوس کی۔ ان کے اندر یہ گہری خواہش پنپنے لگی کہ وہ کچھ کریں جو کہ کچھ الگ اور یادگار ہو اور کچھ کر گزرنے کی اس خواہش نے بار بار اپنا پیشہ اور جگہ بدلنے پر مجبور کر دیا۔

جب شنکر، نروتم مرارجی کے ساتھ کام کر رہے تھے ان دنوں ملک میں سیاسی سرگرمیوں نے زور پکڑ لیا تھا۔ خفیہ میٹنگیں ہو رہی تھیں۔ کئی سیاسی لیڈروں کو جیل بھیجا جا چکا تھا۔ 1929 کی بات تھی جب شنکر کو ملک کی اس حالت کا سنجیدگی سے احساس ہوا۔ ان کو اپنے جذبات ظاہر کرنے کی خواہش

سر اسٹیفورڈ کرپس کے ساتھ (With Sir Stafford Cripps)

1947- 'شنکرس ویکلی' آفس- کارٹون بنانے میں محو دیکھا جا سکتا ہے۔

ہوئی اور اس کے لیے انھوں نے کارٹون بنانے کا سہارا لیا۔ وہ اپنے بچپن کے کارٹون بنانے کے شوق کو کبھی بھولے نہیں تھے۔ انھوں نے سنجیدگی سے ان سیاسی حالات کو کارٹونوں میں ظاہر کیا اور اس کو لے کر محظوظ ہوتے رہے اور اب تحریک آزادی کے اس جذبے نے فرنگیوں کو ان کا نشانہ بنایا۔

وہ ایک سرگرم کارکن ہوگئے۔ یہ چیز ان کو بہت دنوں تک جیل کے پیچھے ڈال سکتی تھی۔ جب وہ پیڈر روڈ پر رہتے تھے تو آدھی رات تک کانگریس بلیٹن خفیہ طور پر ان کے کمرے میں چھپا کرتا تھا۔ یہ بہت خطرناک تھا مگر شنکر صحیح مقصد کا ایک مجاہد تھا۔ 1929 میں جناب نروتم کا ایک کار حادثے میں انتقال ہوگیا۔ وہ ایک بہت اچھے اور رحم دل آقا تھے۔ شنکر نے کام کے ساتھ ان کی کمی بہت محسوس کی۔ پھر بھی اچھے شنکر نے ان کے بیٹے جناب شانتی کمار اور بہو ستی مرارجی کے ساتھ کام کرنا جاری رکھا۔ جب وہ جوہو اپنے بنگلے پر منتقل ہوئے تو شنکر بھی ان کے ساتھ وہاں چلے گئے۔ وہاں وہ تقریباً سات ماہ رہے۔

مسز ستی مرارجی ایک بہت باصلاحیت اور باہمت خاتون تھیں۔ وہ اپنے شوہر کا بہت سارا کام سنبھالے ہوئے تھیں اور جلد ہی وہ ایک بہترین ادارہ چلانے والی خاتون ہوگئیں۔ انھوں نے شنکر کے کام میں خلوص اور کارکردگی کو جلد ہی پہچان لیا اور یہ محسوس کرلیا کہ ساری زندگی محض اسٹینو گرافر بنے رہنے کے لیے نہیں پیدا ہوئے ہیں۔ انھوں نے شنکر کو بلایا اور آرکیالوجیکل سروے ڈپارٹمنٹ پونا کے چیف کو ایک تعارفی خط مناسب نوکری کے لیے لکھ کر دے دیا۔ شنکر پونا پہنچے مگر وہ صاحب کسی کام کے سلسلے میں بیرون ملک گئے ہوئے تھے۔ وہ واپس لوٹے اور بمبئی میں مرارجی کے ساتھ اپنے کام کو جاری رکھا۔

آخر وہ وقت آہی گیا جب شنکر نے یہ فیصلہ کرلیا کہ اب ان کی زندگی ایک راہ پر چل نکلی ہے اور وہ شادی کے لیے ہر لحاظ سے تیار ہیں۔ اپنے بارے میں بے حد محتاط، ایک مکمل اور سچا انسان ہوتے ہوئے انھوں نے اس بات کا پورا انتظار کیا کہ شادی سے پہلے وہ اپنی اور اپنی بیوی کی کفالت پوری طرح سے کرسکیں۔ شادی کے اخراجات پورے کرنے کے لیے انھوں نے اچھا خاصا پیسہ اکٹھا کرلیا تھا کیوں کہ انھیں اس بات کا پورا احساس تھا کہ زندگی کے ہر موڑ پر ان کے چچا اور رشتے داروں نے ان پر کافی روپے خرچ کردیے ہیں۔

انھوں نے کلکتہ جاکر اخباروں کے کچھ سرگرم صحافیوں سے ملاقات کرنے کے بعد ایک بار پھر ایک مختلف نوکری کو پسند کیا مگر انھیں باقاعدہ کوئی نوکری نہیں پیش کی اس لیے بہر حال انھیں بمبئی واپس آنا پڑا۔ انھوں نے تھنکم کے والد کو خط لکھا کہ وہ بہت جلد تریوندرم آرہے ہیں اور شادی کی تیاریاں شروع کی جائیں۔ تھنکم جس نے بہت صبر کے ساتھ اتنے سال شنکر کا انتظار کیا تھا خوشی سے پھولے نہ سمارہی تھی۔

18 مئی 1931 کو شنکر اور تھنکم کی شادی ہوئی۔ تھنکم اب ایک بہت خوب صورت اور جاذب نظر حسینہ تھیں۔ شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ کیرالا میں شادی کی ساری رسومات دلہن کے گھر انجام پائی تھیں۔ پنڈال کو روایتی طریقے سے سجایا گیا۔ پھل سمیت کیلے کے درخت کو چاروں کھمبوں پر باندھا گیا اور اس کو ناریل کی پتّیوں سے سجایا گیا۔

پنڈال میں لکڑی کے دو اونچے تخت رکھ کر چبوترا سا بنا دیا گیا جس پر کالا کپڑا بچھا دیا گیا اور اس پر سفید کپڑا پھیلایا گیا تھا۔ کیرالا میں ہندو شادی میں روایتی طور پر یہ دونوں رنگ کے کپڑے پھیلائے جاتے ہیں۔ تانبے کے دو بڑے بڑے تیل کے لیمپ سامنے رکھے گئے جس میں ہر ایک کے اندر پانچ پانچ بتّیاں بیک وقت جل رہی تھیں۔ ان لیمپوں کے سامنے چاول ناپنے کی ایک چیز جسے پارا کہا جاتا ہے، رکھی تھی۔ یہ پارا لکڑی کا بنا ہوتا ہے جس میں تانبے کی بڑی پیچیدہ سی نقاشی کی ہوتی ہے۔ ان میں چاول کی بالیں بھری ہوتی ہیں جن کو ناریل اور چنبیلی کے پھولوں سے سجایا جاتا ہے۔

ناریل کے پتوں سے سجا اور لوگوں سے بھرا یہ بڑا سا پنڈال دلہن کی آمد کا بے صبری سے منتظر تھا۔ اس یادگار موقع پر ڈھول بجنے لگے اور عورتوں کی خوشیوں بھری چیخ سنائی دینے لگی (اس چیخ کا مطلب وہاں سے شیطانی چیزوں کو بھگانا ہوتا تھا) ان ساری آوازوں کے ملنے سے جنگی چیخ پکار اور جنگل بجنے کا سا سماں بندھ گیا۔ ان آوازوں نے دلہن کی آمد کا اعلان کر دیا۔ دلہن سے قبل گھر کی ساری لڑکیاں ایک قطار میں ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے روایتی لیمپ لیے داخل ہوئیں۔ ان کے پیچھے سفید "منڈو" پہنے دلہن بھی، منڈو مکمل طور پر سفید رنگ کا دو کپڑوں پر مشتمل ہوتا ہے جس کے یہ لباس کنارے پر ہلکا سا گولڈن بارڈر تھا۔ ہلکے زیورات اور بالوں میں سجے پھولوں سے یہ دلہن آراستہ تھی لیکن ساری سجاوٹ پر دلہن کی دل کشی حاوی تھی۔

اگر آپ محتاط نہ ہوں تو بلاشبہ آپ شادی میں شرکت تو کر لیں گے مگر بمشکل ایک منٹ پر مشتمل یہ رسم آپ کی نظروں سے بچ کر گزر سکتی ہے۔

منتظر دولہا شنکر نے اپنی تھنکم کے گلے میں ہار ڈالا، دلہن نے بھی یہی عمل دہرلیا۔ انھوں نے ایک دوسرے کو انگوٹھی پہنائی اور شنکر نے تھنکم کے گلے میں لاکٹ ڈالا۔ اس لاکٹ میں ایک پینڈل آویزہ تھا جو عورت کے شادی شدہ ہونے کی نشاندہی کرتا ہے۔ جوڑے نے لوگوں کے سامنے جھک کر سب سے دعائیں لیں۔

تھنکم کا خاندان سب سے چھوٹے اور دُلارے فرد کے بچھڑنے سے بہت اداس تھا۔ اس بات سے اور غمزدہ تھا کہ ان کی دلاری بہت دور جا رہی تھی۔ لیکن تھنکم کے والد کو اس بات کا بہت اعتماد اور بھروسا

تھا کہ شنکر ان کی بیٹی کا بہت خیال رکھیں گے۔ سارے بزرگوں کی دعائیں اور نیک خواہشات لے کر یہ جوڑا بمبئی کے لیے چل پڑا جن کے دلوں میں آئندہ زندگی کے ہر دکھ سکھ کو مل بانٹنے کا اور ایک ساتھ جھیلنے کا اتھاہ جذبہ تھا۔ زندگی کے ان آگے آنے والے سارے سالوں میں وہ ان کے ساتھ ہمت اور بُردباری کے ایک خاموش کھمبے کی طرح کھڑی رہیں۔ ہر نئے کام اور نئے منصوبوں کی شروعات کرتے وقت ان کو بہت بڑھاوا دیا۔ ان کی بے شمار حوصلہ افزائی کی۔

بمبئی آکر دونوں میاں بیوی نے کیمپ کارنر پر دو کمروں کا ایک مکان کرائے پر لیا۔ بمبئی جیسے اجنبی شہر میں تھنکم نے تھوڑا شرمیلا پن دکھایا مگر جلد ہی شنکر نے اپنی کوششوں سے اس چیز کو ختم کر دیا۔ شام کو دفتر سے گھر آنے پر وہ تھنکم کو ایک اور خاندان جو کہ جنوبی بھارت کے تھے اور اسی عمارت میں رہتے تھے ملوایا۔ مگر تھنکم ان کی غیر موجودگی میں کبھی بھی گھر سے باہر نہیں نکلتی تھیں۔ چار مہینوں کے بعد شنکر کو چوپاٹی، سمندر کے کنارے ایک بہتر کالونی میں فلیٹ مل گیا۔ یہاں انھوں نے بہت خوش کن وقت گزارا۔ شنکر کو دوست بنانے میں بالکل بھی وقت نہیں لگتا تھا۔ بہت جلدی ان کا ایک گروپ بن گیا جو کہ روزانہ صبح ایک لمبی سیر کے لیے نکل جاتا۔ شنکر کبھی کبھی کھانا بھی پکایا کرتے۔

کارٹون بنانا اب شنکر کے حواس پر چھایا ہوا تھا۔ جب انھوں نے یہ محسوس کر لیا کہ ان کے کارٹون اچھے بننے لگے ہیں تو ان کو شائع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ان کارٹونوں کو انھوں نے شہر کے نمایاں اخبار "دی بمبے کرونیکل" اور "فری پریس جرنل" میں بھیجنا شروع کر دیا۔ ان میں سے کچھ کارٹون چھپنے لگے اور پڑھنے والوں نے انھیں بہت پسند بھی کیا۔ مگر مرار جی کے ساتھ پورے دن آفس میں کام کرتے ہوئے جگہ جگہ ان کی اشاعت کے لیے بھاگ دوڑ کرنا شنکر کے لیے ممکن نہ تھا اس لیے شنکر نے یہ کارٹون "فری پریس جرنل" میں کام کرنے والے ایک شخص کے حوالے کر دیا جو کہ ان کی ہی بلڈنگ میں رہتے تھے۔ وہ کارٹون کو مختلف اخبارات تک پہنچاتے اور اپنے اس کام کے لیے کچھ پیسے بھی رکھ لیتے۔ شنکر کو ایک کارٹون کے لیے دو یا تین روپے ملتے۔ وہ بھی انھیں اس آدمی سے بانٹنے پڑ جاتے۔

اخباروں کے بڑے بڑے لوگوں نے ان کارٹونوں کو باریک بینی سے دیکھنا شروع کر دیا۔ ان میں سے ایک جناب بی. جی. ہارنیمن تھے جو کہ "دی بمبے کرونیکل" کے اڈیٹر تھے، اگرچہ وہ برطانوی تھے، ان کا سوچنے کا انداز گورنمنٹ کے خلاف تھا۔ جلد ہی جناب ہارنیمن نے اپنا اخبار "ویکلی ہیرالڈ" کے نام سے شروع کر دیا اور شنکر کو اس اخبار کے سرورق پر کارٹون بنانے کے لیے مدعو کیا۔ شنکر نے بخوشی یہ دعوت قبول کر لی اور اب وہ تین اخباروں کے لیے کارٹون بنانے لگے اور لوگ بھی ان کے کارٹونوں

کے بارے میں بات چیت کرنے لگے۔ اس بات کو لے کر بہت خوش رہنے لگے تھے کہ انھوں نے جو کچھ ایک مشغلے کے طور پر شروع کیا تھا وہ اب ان کی آمدنی کا ذریعہ بن گیا اور اس سے انھیں قلبی تسکین کا احساس ہونے لگا۔

بمبئی میں ان کے ایک قریبی دوست جن کا بطور صحافی کافی نام تھا، جناب پوتھین جوزف نے بطور اڈیٹر "ہندوستان ٹائمز" کی باگ ڈور سنبھالی۔ انھوں نے شنکر میں ایک بہترین کارٹونسٹ ہونے کی پہچان کی۔

جناب پوتھین، شنکر کے خاص کارٹون سے بہت زیادہ متاثر ہوئے جس میں انھوں نے انگلینڈ میں دوسری گول میز کانفرنس کی جگہ تیسری گول میز کانفرنس بنائے جانے کو دکھایا تھا۔ تیسری گول میز کانفرنس کے لیے گاندھی جی کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ اس کارٹون کا عنوان تھا "پولیس نے مختصر ترین قوت سے بھیڑ کو تتر بتر کر دیا"۔ کارٹون نے گاندھی جی کی زیر سرپرستی ہندوستانی وفد کو بھیڑ، سر سیمئول ہور" کو سپاہی اور سر ونسٹن چرچل کو پولیس سپرنٹنڈنٹ بتایا تھا۔ اس کارٹون نے لوگوں میں سنسنی پھیلا دی۔ ایک دن جناب پوتھین جوزف نے چلتی بس میں سے شنکر کو فٹ پاتھ پر پیدل چلتے دیکھا۔ وہ چلتی بس میں سے کود پڑے اور بڑی گرم جوشی سے شنکر کو گلے لگالیا اور دلّی سے جاری اپنے اخبار میں شنکر کو اسٹاف کارٹونسٹ کی حیثیت سے شامل ہونے کے لیے مدعو کیا۔ اس بات پر شنکر بہت حیران ہو گئے۔

جناب پوتھین جوزف نے انتظامیہ پر دباؤ ڈالا کہ وہ شنکر کو اسٹاف کارٹونسٹ کی حیثیت سے شامل کریں۔ "ہندوستان ٹائمز" کے منیجر شنکر سے ملنے بمبئی پہنچے۔ انھوں نے پہلے شنکر کو دلّی آنے کا مشورہ دیا اور پھر تنخواہ کے بارے میں بات چیت کی۔ حالاں کہ بمبئی میں مل رہی آمدنی کے مقابلے میں یہ رقم بہت کم تھی مگر شنکر نے اپنے رتبے کو محسوس کر کے "دی ہندوستان ٹائمز" کے اسٹاف کارٹونسٹ کی حیثیت سے یہ نوکری قبول کر لی۔ ہندوستان کی راجدھانی دلّی جو کہ انگریزی راج کا مرکز ہوتے ہوئے سیاسی کارروائیوں کا گڑھ تھی، یہ ان کے لیے ایک چیلنج تھا۔ وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ ہو سکتا ہے انھیں مایوسی ہو، ناکامی کا سامنا کرنا پڑے، مگر وہ لڑکھڑائے نہیں۔ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے انھوں نے محسوس کیا کہ یہ فیصلہ درست تھا۔

جب انھوں نے اپنی بیوی کو بتایا کہ انھوں نے دلّی میں ملازمت قبول کر لی ہے تو وہ ذرا بھی حیران نہ ہوئیں۔ انھیں شنکر کے ہر فیصلے پر یقین تھا۔ انھیں اس بات کا یقین تھا کہ شنکر کو ان دونوں کی بھلائی کا اچھی طرح اندازہ ہے۔ شنکر نے اپنی نوکری سے اکتوبر کے آخر میں استعفیٰ دے دیا۔ شہر بمبئی جس نے انھیں بہت سے یادگار لمحے بخشے تھے اور وہاں کے دوستوں کو دُکھی دل سے الوداع کہا، دلّی کی طرف کوچ کر گئے۔

کیرولا ڈرن ہوفر (ارجنٹینا) Carola Durnhofer (Argintina)

جب میں شنکر سے ملا ان کے کردار سے میں بہت حیران ہوا۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ وہ ساری دنیا کے لوگوں سے ملنا چاہتے ہیں کیوں کہ ایسا لگتا تھا کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں انھیں اس سے بہت پیار ہے۔ وہ ایک کامیاب ترین آدمی تھے۔ میرا خیال ہے کہ میں نے اور سارے ممبران نے ہندوستان کے بارے میں بہت کچھ جانا اور سمجھا۔ میں کسی دن ضرور لوٹنا چاہتا ہوں۔ تمھارے رہنے کا طریقہ، تمھارے رسم و رواج بہت دل چسپ ہیں۔ اور تمھارے سارے کاموں میں مذہب کا گہرا جذبہ ہے۔

ان کے لباس کے انداز نے ایک بڑی شخصیت عطا کی۔ اگر چہ وہ ایک اہم فرد تھے، وہ ہم سے بہت شفقت اور ہمدردی رکھتے تھے۔ ان کے اس پُر خلوص جذبے کی وجہ سے میں نے ہمیشہ محسوس کیا کہ میں کسی غیر ملک میں نہیں بلکہ اپنے ہی ملک میں ہوں۔

6

شنکر نے اپنی آخری منزل 'دلّی' کو اب پالیا تھا جہاں انھوں نے کچھ کر گزرنے کی اپنی صلاحیت کو بہت سرگرمی سے بلندی تک پہنچایا۔ اس شہر کے نمایاں لوگوں چاہے وہ سیاست داں ہوں چاہے ماہر تعلیم، چاہے وہ دوست احباب ہوں یا خواہ خاموش دشمن، سب کی نظروں میں شنکر کی جو جھنے والی صلاحیت اور کچھ کر گزرنے کا نشہ آگیا۔ شنکر کی دوراندیشی اور بے شمار ہمّت نے ہر کام میں ان کو بہتر نتیجہ دیا۔ جیسے جیسے زندگی میں وہ آگے بڑھتے گئے بہت ہی پُر خلوص اور پُرجوش دوستوں کا حلقہ ان کے ساتھ کھڑا ہوتا گیا جنھوں نے ان کے خوابوں کی تعبیر دلانے میں ان کی بھرپور مدد کی۔

غیر معمولی طور پر خوابوں کی دنیا میں رہنے والے شنکر نے حقیقت سے کبھی بھی اپنے آپ کو الگ نہیں کیا۔ یہی وجہ تھی کہ اپنے ہر خواب اور ہر خواہش کو حقیقت تک پہنچانے میں انھیں پوری کامیابی ملی۔ شنکر کی خاص طاقت ان کے نڈرپن میں تھی۔ ان کی بے شمار کوششوں اور ہر طرح کی جسمانی اور ذہنی محنت کرنے کی خواہش نے ان کو زندگی میں سب کچھ دے دیا تھا۔ انھوں نے اپنے مقصد کو پالیا تھا۔ ان کی صلاحیتوں نے ان کو نہ صرف ہندوستان بلکہ سات سمندر پار کے ہزاروں لوگوں، بوڑھوں اور جوانوں میں آنے والے سالوں میں بے حساب شہرت اور رُتبہ عطا کیا۔ ان صلاحیتوں نے انھیں اپنے خوابوں کی تعبیر حاصل کرنے کا جذبہ عطا کیا۔ لیکن ساتھ ساتھ انھوں نے اپنے پُر خلوص اور نرم مزاج کو نہیں بدلا۔ اپنے چہرے پر سارے جہاں کے خوش کن جذبات لیے دلی مسکراہٹ سے ہمیشہ لوگوں کو خوش آمدید کیا۔

شنکر اور ان کی بیوی 1932 میں دلّی آئے۔ نئی جگہ قدم جمانے میں انھوں نے تھوڑا سا وقت لیا۔ "ہندوستان ٹائمز" کے آفس کے قریب پرانی دلّی کے سبزی منڈی علاقے میں ایک چھوٹا سا فلیٹ کرائے پر لیا۔ گھر کے دوسرے کاموں میں اور کھانا پکانے میں مدد کرنے کے لیے وہ بمبئی سے اپنے ساتھ ایک چھوٹا سا لڑکا لے آئے تھے۔ وہ پورے شہر کے لیے مکمل اجنبی تھے۔ شمالی ہندوستان کے مضبوط دکھائی دینے والے لوگوں سے چاہے وہ کتنے ہی بے ضرر ہوں تھنکم تھوڑی خوف زدہ سی رہتی

تھیں۔ شنکر کی غیر موجودگی میں تھنکم کبھی بھی گھر سے باہر نہ نکلتیں۔ شام کو دونوں روزمرہ کی ضرورتوں کی چیزیں لینے کے لیے بازار جایا کرتے۔ دلّی کی ساری تاریخی عمارتوں، انگریزوں کی بنی بڑی بڑی عمارتیں، خوب صورت باغیچے اور چاندنی چوک کی رنگ برنگی پُر ہجوم گلیوں نے تھنکم کو بہت متاثر کیا۔

شنکر نے جلد ہی بہت سارے دوست بنالیے جن میں جناب ایداتا تانارائن جو کہ "دی ہندوستان ٹائمز" کے معاون اڈیٹر تھے اور جناب شیام لال اس کے سب اڈیٹر شامل تھے۔ جناب نارائن نے بعد میں "لنک" اور "پیٹریٹ" نامی اخبار جاری کیے۔

شنکر نے کام پر جانے کے لیے ایک سائیکل خریدلی۔ آفس آتے جاتے وقت پاس سے گزرتے لوگوں کا معائنہ کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہو گیا۔ "دی ہندوستان ٹائمز" میں ان کا کام بہت ہلکا تھا۔ انھیں روزانہ ایک کارٹون بنانا ہوتا تھا۔ کچھ ہی دنوں میں ان کے لیے یہ کام بچّوں کا کھیل ہو گیا۔ کل ملا کر ایک گھنٹے میں وہ کارٹون مکمل کر کے پورے دن کے لیے فارغ ہو جاتے۔

آزادی کے ان چند گھنٹوں کا شنکر کو روزانہ بڑی بے صبری سے انتظار رہتا۔ اڈیٹر کے پاس کارٹون جمع کرا کے سائیکل لیے وہ سیدھے کناٹ پلیس روانہ ہو جاتے۔ پارکنگ کی جگہ پر اپنی سائیکل کھڑی کر کے وہ پورے دائرے کی چہل قدمی کو نکل جاتے۔ طرح طرح کے دل چسپ لوگ ان سے ٹکراتے اور وہ پورے شوق سے ان کا معائنہ کرتے جاتے۔ یہ منظر بینی ان کے کارٹون میں پورے دن کی سماجی حالت کا مذاق اُڑانے میں ان کی بہت مدد کرتی۔ کچھ ہی سالوں میں شنکر کناٹ پلیس کے برآمدوں میں ایک جانی مانی شخصیت ہو گئے جہاں کا ہر دکان دار انھیں دیکھتے دیکھتے پہچان گیا تھا۔

سیاسی طور پر شنکر کے کارٹون انگریزوں اور ہندوستانیوں میں بے حد مقبول ہونے لگے۔ زیادہ تر ان کے عتاب کا شکار انگریز وائسرائے لارڈ ولنگڈن، لارڈ لنلتھگو اور لارڈ ویول ہوا کرتے۔ مگر وہ بھی ان کے کارٹونوں سے محظوظ ہوتے۔ ایک خاص حادثہ تھا جو شنکر کو بہت محظوظ کرتا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب لارڈ ولنگڈن وائسرائے تھے اور شنکر نے ہندوستان ٹائمز کے سرورق پر ان کا کارٹون بنایا تھا۔ اس سے پہلے بھی انھوں نے لارڈ ولنگڈن کے کئی کارٹون بنائے تھے مگر اس دن شنکر کو وائسرائے سے ملنے کا پیغام ملا۔ شنکر بہت زیادہ بے چین ہوئے۔ انھوں نے ایسا کیا کر دیا جو یہ پیغام ملا ہے۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہے تھے۔ وہ بہت مضطرب ہو گئے اور انھیں اس بات کا پورا احساس ہو گیا کہ ان کی نوکری اب ختم ہونے والی ہے۔

اگلی صبح 10 بجے ملاقات کا وقت طے ہوا۔ شنکر نے بے خوابی میں ساری رات گزار دی۔ جیسے جیسے وقت قریب آرہا تھا شنکر نے تین گرماگرم چائے کے کپ پیے اور وائسرائے کے گھر کی طرف چل دیے۔ پہنچتے ہی اے۔ ڈی۔ سی نے فوراً انھیں وائسرائے سے متعارف کرایا۔ وائسرائے آگے بڑھے اور شنکر کو گلے سے لگالیا۔ انھوں نے شنکر کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے زور سے کہا۔ "میرے بیٹے، میں تمھارے کارٹونوں سے بہت محظوظ ہوتا ہوں"۔ شنکر کچھ نہ بول سکے اور یہ سین کا خاتمہ تھا۔

لارڈ ولنگڈن نے اپنے ساتھ بٹھا کر ان سے کچھ سوالات کیے۔ تم سے کوئی اور بھی ملنا چاہتا ہے وہ ہیں لیڈی ولنگڈن۔ جلد ہی لیڈی ولنگڈن اندر آئیں اور انھوں نے شنکر سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "جناب شنکر، مجھے آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی مگر آپ کے خلاف ایک شکایت یہ ہے کہ آپ میرے شوہر کی ناک بڑی لمبی بنادیتے ہیں"۔

شنکر نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ جب میں کسی شخص کا چہرہ بناتا ہوں تو اس کی خاص چیز کو ضرور نظر میں رکھتا ہوں۔ مجھے ہز ایکسلینسی کی ناک میں کچھ خاص بات نظر آتی ہے اسی لیے میں اسے کچھ لمبا بنادیتا ہوں۔ اگر میں صرف ناک بنادوں تب بھی لوگ سمجھ لیں گے یہ لارڈ ولنگڈن ہی ہیں۔

ایک اور کارٹون جو شنکر نے بنایا اس میں لارڈ ولنگڈن، گاندھی جی کو جیل کی طرف لے جارہے تھے۔ ان کے ہاتھ ایک دھاگے سے بندھے تھے۔ نیچے لکھا تھا "دھاگا جہاں رہ گیا تھا اسے وہاں لے جایا جارہا ہے"۔

برطانوی اقتدار کے ساتھ شنکر کی یہ پہلی مڈبھیڑ تھی۔ لارڈ لنلتھگو اور لارڈ واویل بھی ان کے کارٹونوں کو بہت پسند کرتے تھے۔ شنکر نے خوش ہو کر کہا حالاں کہ میرے کارٹون اکثر مضحکہ خیز اور شرارتی ہوا کرتے تھے مگر سب اسے پسند کرتے تھے۔ ایک موقع پر شنکر نے لارڈ لنلتھگو کو دیوی بھدر کالی کی شکل میں قبرستان میں ایک جلتی لاش پر کھڑا دکھایا۔ جب صبح اخبار میں یہ کارٹون شائع ہوا تو شنکر کو بذاتِ خود یہ محسوس ہوا کہ انھیں یہ کارٹون نہیں بنانا چاہیے تھا۔ 11 بجے کے قریب وائسرائے کے فوجی سکریٹری کا فون آیا۔ شنکر نے سوچا ان کا کارٹون بنانے کا دور اب اختتام کو پہنچ رہا ہے۔ فون تھامے ہوئے ان کا ہاتھ کپکپارہا تھا۔ دوسری طرف وائسرائے کی آواز گونجتی محسوس ہورہی تھی۔ "شنکر میرے بچے تم نے بہترین کارٹون بنایا ہے۔ میں چاہتا ہوں تم اس کی اصل کاپی فوراً میرے پاس بھیجو"۔ شنکر آج بھی اس کارٹون کو یاد کرکے کہتے ہیں "اگر آج یہ کوئی ہمارا لیڈر ہوتا تو وہ بے ہوش ہو چکا ہوتا"۔

ہندوستان ٹائمز میں کام کرنے کے شروع کے دنوں سے ہی شنکر نے ہندوستانی لیڈروں کو بھی نہیں چھوڑا۔ سر محمد عثمان جو کہ وائسرائے ایکزیکٹیو کونسل کے ممبر تھے ان کا نشانہ ضرور بنتے۔ شنکر نے ایک بار انھیں بہت بڑے غبارے کی شکل میں دکھایا جو گورنمنٹ ہاؤس کے اوپر لگا تھا اور جس پر لکھا تھا "ہندوستان کا دفاع" جب انھوں نے کارٹون دیکھا تو غصّے سے تمتما اُٹھے۔ لوگوں سے سنا گیا کہ وائسرائے کے آفس میں اس ممبر نے زور زور سے چیخ کر کہا تھا "اس شخص کو فوراً حراست میں لینا چاہیے لیکن وائسرائے جانتے تھے کہ بہترین صورت کیا تھی۔

شنکر کے شوخ کارٹونوں کی ایک کہانی سر جوالا پرساد شریواستو سے متعلق تھی۔ وہ بھی وائسرائے ایکزیکٹیو کونسل کے ممبر تھے۔ شنکر اور لیڈروں کی طرح ان کے خیالات اور جذبات جاننے کے لیے ان سے بھی ملنا چاہتے تھے۔ وہ دوبار ان کی رہائش گاہ پر ملاقات طے کرنے گئے مگر سر جے. پی. سریواستو سے ملاقات نہ ہو سکی۔ شنکر کو بڑا ناگوار لگا۔ جب تیسری بار بھی شنکر کو انتظار کروایا گیا تو انھوں نے سکریٹری سے کہا کہ اب ان کے پاس کوئی بے کار وقت نہیں ہے اور وہاں سے چلنا شروع کردیا۔ سکریٹری نے انھیں آواز دے کر کہا سر جے. پی. سریواستو آپ سے ملنے کے لیے تیار ہیں۔ شنکر کو ان کے کمرے تک پہنچادیا گیا اور وہاں شنکر نے ممبر کو بالکل ننگا اور جسم پر مالش کرواتے ہوئے پایا۔ انھوں نے کہا "مجھے امید ہے کہ آپ اعتراض نہیں کریں گے"۔ شنکر نے زور دے کر کہا "مجھے اعتراض ہے"۔ اگلی صبح شنکر نے سر جے. پی. سریواستو کا سالگرہ کے سوٹ میں کارٹون بنایا، نیچے لکھا تھا "میں پورے کپڑوں میں ہوں"۔ آنے والے اگلے مہینوں میں شنکر نے سر جے. پی. سریواستو کے کوئی پچاس سے زائد کارٹون سالگرہ کے پورے سوٹ میں بنائے۔ سر جے. پی. سریواستو اس بات پر بُری طرح تلملا گئے۔ انھوں نے سر پوتھین جوزف کو پیغام بھیجا جو اس وقت مدراس میں تھے کہ وہ شنکر کو اس بات کے لیے فوراً روکیں۔ وائسرائے کے پاس کیے گئے شدید احتجاج نے بھی شنکر کو کارٹون بنانے سے نہ باز رکھا۔ آخر جب ان کا دل چاہا تبھی انھوں نے سر جے. پی. سریواستو کا پیچھا چھوڑا۔

نہ وائسرائے اور نہ ہی ان کے ممبر ایکزیکٹیو کونسل کے ممبر شنکر کو روک سکے۔ اس چکّر میں وہ شنکر کے کارٹونوں سے بھی زیادہ مضحکہ خیز نظر آنے لگے۔ ایڈاتاتا رائین جو کہ شنکر کے دوست اور پیٹریٹ اخبار کے اڈیٹر تھے، کا کہنا تھا کہ شنکر نے اپنے کرداروں کو جاندار بنانے میں جو مہارت حاصل کی وہ ان کے ساتھیوں اور Strube کے کاموں سے مختلف تھی۔

شنکر کے کارٹونوں نے آدمی کو عام نہیں بنایا۔ ان کے کارٹون کا فرد بہت منفرد، حقیقی اور بے ساختہ

پہچان میں آنے والا ہوا کرتا تھا وہ ہمیشہ ایک خاص فرد کی طرح برتاؤ کرتے اور پیش آتے۔ جیسے جیسے ہندوستان اور دنیا کی عظیم شخصیتیں ان کے قلم کا نشانہ بنتی گئیں وہ بظاہر ساری رکاوٹوں کو پار کرتے رہے مگر کردار کے باہر کسی نے کبھی چھلانگ نہیں لگائی۔

شنکر کے آخری دنوں میں ان کے بہت قریبی اور جگری دوست جناب ایم. چلا پتی راؤ ان کو ان لفظوں میں یاد کرتے ہیں "شنکر کے چند بہترین کارٹون انگریز راج میں بنائے گئے۔ ان کے شکار ہی ان کے عظیم مدّاح ہوا کرتے تھے۔ ان میں وائسرائے شامل تھے، ان کی بیویوں کی تو بات ہی مت کیجیے۔ میں ان کا بہت ہی گرم جوشی سے اقتدار کے گلیاروں میں پُرجوش استقبال دیکھا کرتا تھا۔ انھیں کسی تنقید کی ضرورت نہ تھی۔ وہ بذاتِ خود بہت بڑے نقاد تھے"۔ جناب راؤ نے ماضی کی گہری یادوں میں ڈوبتے ہوئے کہا۔ "کئی سال میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے شنکر کو کارٹون بناتے ہوئے دیکھا لیکن جب ان کے کارٹونوں کو جاننے کی بات یا کارٹون بنانے کی صلاحیت کی بات ہوتی ہے تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ دنیا کا کوئی بھی کارٹونسٹ شنکر کی طرح پیچیدہ سے مسئلے کو بہت آسان کرکے گہرے ردِّ عمل کے ساتھ یا تصاویر کے چہروں کو اتنا بولتا ہوا نہ دکھا سکا"۔

ہندوستان ٹائمز میں گزارے یہ سال اڑتے ہوئے لگ رہے تھے اور شنکر کے کارٹونوں کا ان کے مدّاح بے صبری سے انتظار کرتے رہے۔ صبح کی چائے کے ساتھ یہ پہلی چیز تھی جو لوگوں کی نظر سے گزرتی۔ اخبار کی تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہوتا رہا۔

1939 کی بات ہے جب گاندھی جی وردھا میں تھے، شنکر اس عظیم لیڈر سے ملنے وہاں گئے ہوئے تھے۔ گاندھی جی نے ایک بار انھیں اندر بلایا اور کہا "شنکر بڑی ایمانداری سے جواب دینا۔ "کیا تم نے ہندوستان ٹائمز کو مقبول بنایا ہے یا ہندوستان ٹائمز نے تمھیں مقبول بنایا ہے؟" جواب میں شنکر صرف مسکرا دیے۔ ان کے کارٹونوں نے ہندوستانی عوام کے ذہن پر گہرا اثر چھوڑا تھا۔ حالاں کہ انھوں نے بہت باریکی اور آزادی سے کارٹون بنائے لیکن پھر بھی اس کے لیے ان کو بہت مشق کرنی پڑتی تھی۔

ان کی صبح بہت سویرے ہوا کرتی۔ پانچ بجے وہ اٹھ جایا کرتے۔ چائے کا ایک کپ، اس کے بعد ایک لمبا غسل پورے دن کے لیے انھیں ہشاش بشاش کر دیا کرتا۔ اخبار پر نظر ثانی کرتے ہوئے ہر اس خبر کو الگ کر لیتے جس سے انھیں کارٹون بنانے کے لیے تخلیقی تحریک حاصل ہوتی۔ وائسرائے کی ایکزیکیٹیو کونسل کے ممبران اور ممبرانِ اسمبلی سے ملنے وہ چند روز سائیکل سے قانون ساز اسمبلی جایا کرتے۔

اکثر وہ ان کا خاموشی سے معائنہ کرتے اور واپس لوٹ آتے۔ آکر اخباروں کی سرخیوں پر نظر ثانی کرتے اور اسمبلی میں جو کچھ سنا اور دیکھا اس کو یاد کر کے کام کرنے بیٹھ جاتے۔

شنکر اپنے کام کے بذاتِ خود جج تھے۔ کبھی کبھار اخبار کا اڈیٹر بھی کارٹون چھپنے کے بعد دیکھ پاتا۔ اگر کارٹون کی کوئی چیز انھیں بے چین کر دیتی تو وہ اسی وقت واپس جاتے اور برش اُٹھا کر بہت باریکی سے اسے ٹھیک کر دیتے۔ شنکر کے کارٹونوں کی سب سے نمایاں چیز ان کی ایمان داری تھی۔ حالاں کہ انھوں نے لوگوں کا مذاق بنایا اور ریاست میں ہو رہے کام کی ہنسی اُڑائی لیکن وہ کبھی بھی کسی کے تئیں دشمنی یا بدلہ لینے کی گراوٹ میں گرفتار نہیں ہوئے۔

جب وہ ممتاز ہندوستانی شہریوں، ممبرانِ اسمبلی اور انگریز برادری سے ملاقات کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے تھے انہی دنوں انھوں نے فوٹوگرافی کو اپنالیا۔ مختلف موڈ میں وہ ان شخصیتوں کو کیمرے میں قید کر لیتے تاکہ اس شخص کے چہرے کے مختلف خد و خال کا اندازہ کر سکیں۔ آگے چل کر یہ ان کا سنجیدہ مشغلہ بن گیا۔ گھر کے اندر اور باہر کیمرے کا بہترین استعمال ہونے لگا۔ فلم سے آراستہ یہ کیمرہ ان کا مستقل ساتھی ہو گیا۔

پھر بھی شنکر کے لیے یہ نہ سارا کام تھا اور نہ ہی کھیل۔ ان کی ایک نوجوان بیوی اور اس کی گھریلو ضروریات کو بھی انھیں نظر میں رکھنا تھا۔ اس کے بدلے وہ ان کی ساری ضرورتوں، ان کے سارے دوستوں اور جاننے والوں کا خیال رکھتیں جو اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کے دروازے سے لوٹائے نہیں جائیں گے۔ ان سب کے لیے وہ "چیچی" یا "چیٹا تھی" تھیں جس کا مطلب بڑی بہن تھا۔ کالج کے اس دور میں اور آج بھی لوگ ان کے ارد گرد رہتے اور اپنی بیوی کو بغیر اطلاع دیے وہ انھیں گھر پر کھانے کے لیے مدعو کرتے لیکن وہ اپنے شوہر کی اس عادت سے واقف تھیں اور اس خاصیت سے وہ کبھی بھی پریشان نہ ہوتیں۔ ہمیشہ مسکراتے چہرے کے ساتھ وہ کھانا تیار کرتیں اور کبھی کبھی اگر ان کے دوست رُکنے کا ارادہ کرتے تو ان کے بستر بھی تیار کرتیں۔

سبزی منڈی والے فلیٹ میں رہنے کے دوران ہی ان کی پہلی اولاد ایک بیٹی کی آمد ہوئی۔ اس کی پیدائش کے وقت شنکر تشویش ناک حد تک ٹائیفائیڈ جیسے موذی مرض میں مبتلا اسپتال میں تھے۔ غنودگی کی حالت میں ہونے کی وجہ سے تین دن تک ان کو بچی کی پیدائش کا علم ہی نہ ہو سکا۔ جناب پوتھین جوزف اور ہندوستان ٹائمز میں کام کرنے والے دوسرے دوستوں نے ایسے دنوں میں ان کی دیکھ

بھال کی۔ وہ باری باری اسپتال میں رُکتے اور چوبیس گھنٹے کی حالت پر کڑی نظر رکھتے۔ پندرہ دنوں میں یہ مشکل وقت کٹا اور شنکر گھر لوٹے۔ اپنی بیوی اور نوزائیدہ بچّی کو دیکھ کر ان کی خوشی قابلِ دید تھی۔

شنکر کی بیماری اور بچّی کی پیدائش نے ان کی زندگی کے ڈھرے میں اچانک تبدیلی پیدا کر دی۔ ان کو بیماری سے بحال ہونے میں کچھ وقت لگ گیا، لیکن اب زندگی کے کام ان کے منتظر تھے اور انھوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ گھر واپس آکر بچّی کے ساتھ کھیلنا اور اس کو بڑا ہوتے دیکھنے میں ایک الگ ہی مزہ ہوتا۔ وہ روزانہ اسے لے کر ٹرام کی لمبی سواری پر چاندنی چوک کی سیر کراتے۔ وہ ان کی نجی زندگی کی خوشیوں کے پل ہوا کرتے۔

1934 میں شنکر گول مارکیٹ کے ایک مکان میں رہنے لگے۔ یہ مکان ہندوستان ٹائمنر کے آفس کے قریب تھا جو کہ اب کناٹ پلیس منتقل ہو گیا تھا۔ دو سال بعد ان کے یہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ دو بچّوں کی نگرانی کے بعد ان کی بیوی کے پاس کوئی بھی خالی وقت نہ بچتا۔ گھر واپس آکر شنکر بچّوں کو گھمانے لے جاتے۔ جیسے ہی بچّے گھر سے باہر جاتے پورے دن کے ادھورے کام ان کی بیوی جلدی جلدی نپٹا لیتیں۔ دونوں بچّے اپنے والد کے ساتھ اس سیر کا انتظار کرتے۔ کبھی کبھار تانگہ سواری ان کے لیے الگ سے انعام ہوتا۔

دن اور سال اڑتے جا رہے تھے اور شنکر کی بحیثیت کارٹونسٹ مقبولیت بڑھتی جا رہی تھی۔ ''دی ہندوستان ٹائمنر'' اپنے اسٹاف میں شنکر کا نام ہونا فخر محسوس کرتا اور ان کو کھونے کا انھیں ہمیشہ ڈر لگا رہتا حالاں کہ اس زمانے میں مقبولیت کی بھاگ دوڑ میں شامل ایک اور اخبار نے دل کش تنخواہ دے کر ان کو اپنے یہاں کام کرنے کے لیے مدعو بھی کیا لیکن ''دی ہندوستان ٹائمنر'' کا انتظامیہ اس سے باخبر تھا۔ انھوں نے شنکر سے بات چیت کی اور ایک سال کی چھٹی پر لندن جا کر آرٹ سیکھنے کی درخواست منظور کر لی گئی۔ جن چیزوں کی بھی ضرورت تھی وہ سہولیات شنکر کو مہیا کی گئیں اور ان کے کام میں کسی بھی چیز کی مداخلت نہ ہوئی۔ انتظامیہ نے ایک سال کے لیے انہیں لندن بھیج دیا۔

یہ ان کے لیے قابلِ فخر تھا۔ شنکر نے کارٹونوں کے ذریعے سیاسی اور سماجی طنز و مزاح کی شروعات کی۔ چوں کہ وہ اپنے کام میں کسی طرح کی کمی رکھنے میں یقین نہیں رکھتے تھے اس لیے انھوں نے آرٹ کی روایتی تکنیک، خاص کر ڈرائنگ کی تکنیک کو سیکھنے اور مہارت حاصل کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ انھوں نے خود بتایا کہ ''میں نے بطور مشغلہ کارٹون بنانا شروع کیا اور کارٹونوں میں استعمال ہونے

ناظرین کو دیکھنے کے نا قابلِ قد میں چھوٹی سی سونے کا تمغہ جیتنے والی۔ 1951 میں ہو رہے تھیٹر فیسٹول میں مادھوی مدگل

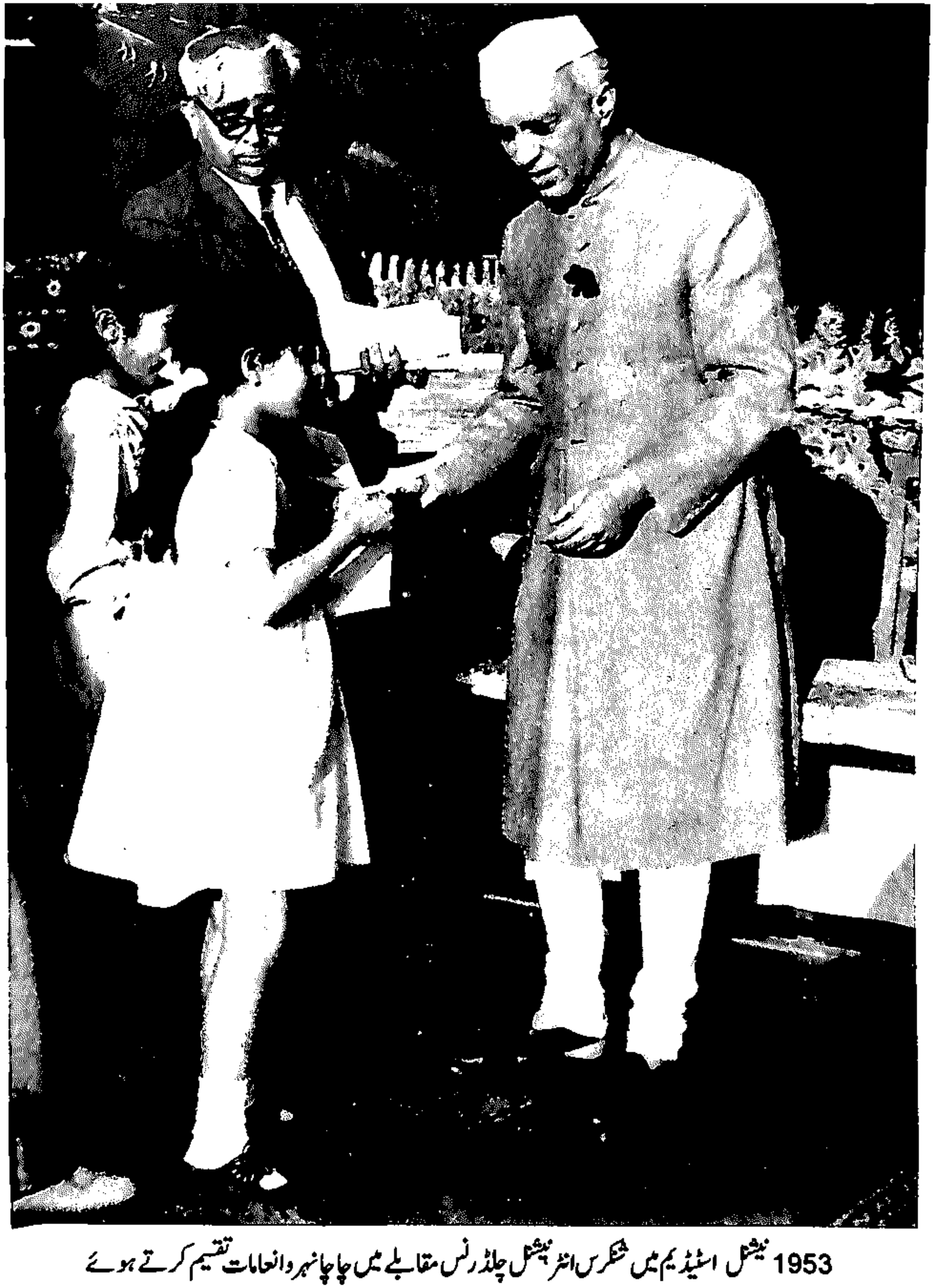

1953 نیشنل اسٹیڈیم میں شنکرس انٹرنیشنل چلڈرنس مقابلے میں چاچا نہرو انعامات تقسیم کرتے ہوئے

والے مختلف اسلوب اور تکنیک کی میں نے کوئی پیشہ ور تربیت نہیں لی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ تربیت کی کمی کی وجہ سے میرا کام ادھورا ہے اس لیے میں آرٹ کی تعلیم حاصل کرنے لندن گیا"۔

تربیت ایک لمبے عرصے تک چلنی تھی اس لیے شنکر نے اپنے دونوں بچوں اور بیوی کو اس کے مائیکے کیرالا بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

انھوں نے دلّی میں اپنے فلیٹ کو خالی کر دیا اور وہ ان کے ساتھ تریوندرم تک گئے۔ ان سب کے لیے یہ خوشی کے لمحے تھے کیوں کہ وہ ایک لمبے وقفے کے بعد کیرالا جارہے تھے۔ اپنے عزیزوں کے بیچ ہونا واقعی خوشی کی بات تھی۔ ان کے سارے پرانے دوست جو کہ کارٹونسٹ کی حیثیت سے شنکر کی شہرت سن چکے تھے، ان سے ملنے آئے۔ وہ ان سے دلّی شہر، ان کے کام، ان کے طرزِ زندگی کے بارے میں پوچھتے پوچھتے تھکتے نہیں تھے۔ ان کے سسر خاموشی سے انھیں نہارتے رہتے اور دل ہی دل میں اپنے نوجوان داماد کو سراہتے رہتے جو کچھ دن پہلے ہی ان کی لختِ جگر کو ان سے دور لے کر چلا گیا تھا۔

جلد ہی شنکر کو اپنے دوستوں اور عزیزوں کو الوداع کہنے کا وقت آ گیا۔ اپنے بچوں اور چہیتی بیوی کو چھوڑنے کا انھیں بہت دُکھ تھا لیکن وہ اپنے علم کا دائرہ وسیع کرنے جارہے تھے۔ مئی 1938 میں انھوں نے اپنے سمندری سفر کا بمبئی سے آغاز کیا تقریباً ایک سال لندن میں گزارنے کے لیے۔

فونگ وین چی (ملیشیا) Foong veen Chee (Malaỳsia)

جناب شنکر کے جلد ہی گھل مل جانے والے اور خوش رہنے والے مزاج نے ہندوستان میں میرے قیام کو خوش گوار بنادیا۔ ان کے چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ رہتی تھی۔ اسی وجہ سے وہ جس محفل میں پہنچ جاتے وہاں کے ماحول میں جان آجاتی۔ وہ ایک ایسی شخصیت ہیں جن کی لوگ عزّت کرتے ہیں، پیار کرتے ہیں اور جن سے متاثر ہوتے ہیں۔

7

لندن میں 1938 کی گرمیوں کا موسم لندن والوں کے لیے بھلے ہی خوش گوار ہو سکتا ہے لیکن دلّی کی آگ اُگلتی گرمی میں رہنے والے آدمی کے لیے وہ کافی سرد اور کپکپا دینے والا تھا۔ نئی جگہ، نئی زمین، نئے لوگ، اپنے ملک کے سیاہ چمڑی کے چہروں سے کافی مختلف۔ ایک اکیلے ہندوستانی کے لیے ان کی سرد نگاہیں اور عام طور سے پرواہ نہیں کرنا ہی ان کا عام رویہ تھا لیکن شنکر ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو ہار مان لیتے۔ وہ لندن ایک خاص مقصد سے آئے تھے آرٹ کی تعلیم حاصل کرنے۔

لندن میں 14 مہینے قیام کے دوران شنکر نے تین مختلف آرٹ اسکولوں میں تعلیم حاصل کی۔ پہلے چار مہینے انھوں نے ایمن اسکول آف آرٹ میں کمرشیل آرٹ سیکھا۔ اس کے بعد انھوں نے لندن پالی ٹیکنک میں داخلہ لیا جہاں انھوں نے انسانی شکلوں کا خاکہ بنانے میں مہارت حاصل کی۔ انھوں نے سینٹ مارٹن اسکول آف آرٹ میں بھی داخلہ لیا۔

شنکر کو ایک ایسے مکان میں رہنے کا ٹھکانہ مل گیا جہاں کچھ ہندوستانی بھی رہتے تھے۔ یہ کوئی بڑی جگہ نہیں تھی، ڈھائی پاؤنڈ ہفتہ وار کرایہ تھا۔ اس کے بدلے ایک بڑا سا کمرہ اور گیس برنر سمیت باورچی خانہ مل گیا تھا۔ گرم پانی کے غسل پر ان کا تقریباً آدھے شیلنگ کا خرچ آجاتا۔ شنکر کا روز مرہ کا دن کچھ اس طرح گزرتا تھا۔ اپنے مکان مالک سے کھانا بنوانے کا خرچ بچانے کے لیے صبح سویرے ایک چھوٹے الیکٹرایکل اسٹو پر ناشتہ بنانا اور پھر اس کے بعد آرٹ اسکول جانے کے لیے ایک بس پکڑنا، یہ ایک بہت جامع نصاب تھا اس کے لیے انھیں دیر شام تک اسکول میں رہنا پڑتا۔

ابتدا میں انھیں غیر متحرک زندگی، خاکہ نگاری، مصوری، پورٹریٹ، ڈرائنگ اور بیرونی خاکوں سمیت ڈرائنگ کے مختلف پہلو سیکھنے تھے۔ شنکر کے لیے یہ ایک چیلنج بھرا مگر مزے دار تجربہ تھا۔ اسکول میں جتنا بھی وقت گزارتے پوری طرح سے اپنے کام میں ڈوبے رہتے۔

شام کو اسکول سے گھر لوٹتے وقت راستے سے رات کے کھانے کی چیزیں ساتھ لے آتے، ہلکا سا کھانا تیار کر کے کھاتے اور جلد ہی سو جاتے۔ ہندوستان سے ملنے والی ان کی تنخواہ لندن جیسے مہنگے شہر میں

بالکل ناکافی تھی۔ وہ بھی جنگ سے ایک دم پہلے والے حالات میں۔ لیکن ٹاٹا گروپ آف کمپنی سے بھی انھیں ایک اسکالرشپ ملا کرتی تھی اس لیے انھیں کبھی بھی زیادہ دقت نہیں ہوئی۔ یہاں ان کی تفریح کا واحد ذریعہ ٹھیمس کے کنارے چلتے ہوئے وہاں کے قدرتی حسن کو دل کی گہرائیوں تک محسوس کرنا تھا۔ ندی کے کنارے بنی اونچی عمارتوں کو نہارنا اور وہاں گزرنے والے لوگوں کے انداز، ان کے موڈ اور ان کے چہروں کے تاثرات کا معائنہ طرح طرح سے کرتے رہتے۔ یہ سب ایسا ہی تھا جیسے کناٹ پلیس سے ٹہلتے ہوئے لوگوں کے چہروں کو پڑھنا اور پھر انھیں اپنے کارٹونوں میں اُتارنا۔ یہاں ٹہلتے ہوئے ہندوستان کی، اپنے گھر کی، اپنے دفتر کی اور اپنے دوستوں کی یادیں امڈ پڑتیں لیکن وہ ایک مضبوط قوت ارادی کے مالک تھے۔ وہ اپنی ٹریننگ پوری کرنے کے بعد ہی ہندوستان لوٹے۔ لندن میں رہتے ہوئے اکیلے پن کی زندگی تک اپنے آپ کو محدود رکھنا شنکر کے لیے مشکل کام تھا۔ انھوں نے جلد ہی وہاں کچھ دوست بنا لیے۔ ان میں سے ایک کارٹونسٹ لیسلی گریمس تھے۔ لندن میں ان کے پورے قیام کے دوران گریمس سے ان کی اچھی دوستی رہی۔ ان کے دوسرے اچھے دوستوں میں دنیا کے مشہور (اس وقت دلّی میں سنگیت ناٹک اکادمی کے چیئرمین) ڈاکٹر وی. کے نارائن تھے۔ وہ اس وقت کیمبرج میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ ان کا لندن آنا جانا رہتا تھا۔ شنکر نے ان دونوں کو یاد کرتے ہوئے کہا۔ ان کے کمرے میں دونوں نے ایک بار پارٹی کی تھی۔ اس پارٹی کی سب سے زیادہ جاذب نظر اس زمانے کی مشہور رقاصہ اندررانی رحمان تھیں جو کہ اس وقت اپنی ماں راگنی دیوی کے ساتھ لندن آئی ہوئی تھیں، وہ محض آٹھ سال کی ایک سہمی ہوئی شرمیلی لڑکی تھی۔ وہ اپنی ماں کے ساتھ پارٹی میں آئی لیکن جب اس نے ناچنا شروع کیا تو اس کی ساری شرم غائب ہو گئی۔ اس وقت تک شنکر نے بہت سارے دوست بنا لیے تھے۔ سب ان کے ہاتھ کا بنا ہوا کھانا بڑے چاؤ سے کھاتے تھے۔ ایک ننھی لڑکی کا ناچ دیکھنے کے لیے ان کے کمرے پر آئے مہمانوں کے لیے یہ ایک کامیاب پارٹی تھی۔ بعد میں اس طرح کی کئی پارٹیاں ہوئیں۔

لندن میں شنکر اکثر ایک خاص سوئیس ریستوراں ''ویگا'' جایا کرتے تھے۔ وہاں نہ صرف سبزی والا کھانا ملا کرتا تھا بلکہ کئی جانی مانی ہستیاں بھی آیا کرتی تھیں۔ پنڈت نہرو بھی لندن آنے پر اس ریستوراں میں ضرور جاتے۔ شنکر اکثر ویراسوامی ریستوراں جو کہ پکاڈلی سرکس پر تھا، جایا کرتے تھے۔ انھوں نے اکثر شامیں مختلف اسٹوڈیو میں انسانی شکلوں کا خاکہ بنانے کی مشق میں بتائیں۔

شنکر کو کسی بھی وقت اگر کوئی بات سوجھ جاتی اسے فوراً کر دکھاتے اور وہ جو بھی فیصلہ کرتے اس پر

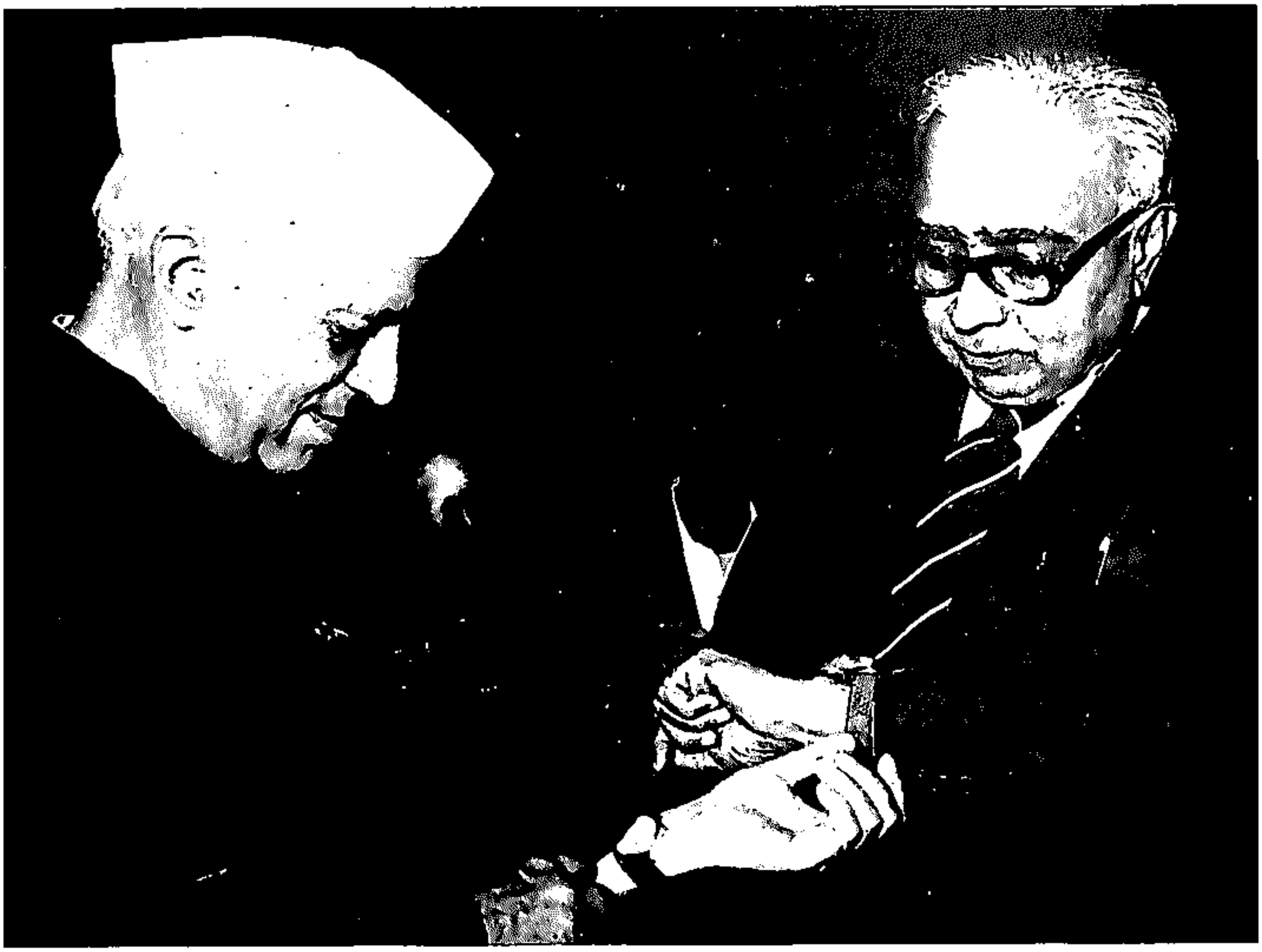

آنکھوں سے وقت کی پکڑ۔ یہاں بھی وہاں بھی

وزیرداخلہ جناب جی.بی. پنت سے گفتگو کرتے ہوئے

ضرور عمل کرتے۔ ایک بار نہرو جب سرکاری دورے پر جنیوا گئے تھے تو انھوں نے بھی وہاں جانے کی ٹھان لی۔ انھیں وہ شہر بہت پسند آیا۔ لوٹتے میں وہ پیرس بھی رُکے۔ وہاں انھیں اس وقت کے کچھ مشہور ماڈلوں کے خاکے بنانے کا بھی موقع ملا۔

لندن کے مشہور کارٹونسٹ ڈیوڈ لیو سے بھی ان کی یادگار ملاقات ہوئی۔ ان کا کام دیکھنے اور کارٹون بنانے کے بارے میں ان کے خیالات سننے سے شنکر کی بصیرت کا دائرہ اور وسیع ہو گیا۔

لندن میں چودہ مہینے بیت گئے تھے اور اب ان کا وطن واپس لوٹنے کا وقت قریب تھا۔ اپنے دوستوں سے کامیابی کی دعائیں لیں۔ لندن کی بہت ہی خوش گوار یادیں لیے انھوں نے انگریزوں کے اس دیش کو الوداع کہا۔ لوٹتے میں وہ ایک بار پھر پیرس گئے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے لیے برلین، ویانا اور روم میں بھی رُکے۔ جہاز کے ذریعے وہ بمبئی کے لیے روانہ ہوئے۔ حالاں کہ وہاں پر شنکر نے اکثر اپنے آپ کو تنہا محسوس کیا مگر لندن میں گزارے ہوئے یہ دن ان کے لیے کافی فائدہ مند ثابت ہوئے۔ اس تعلیم نے ان کی کارٹون بنانے کی فنی مہارت کو نئی سمتیں عطا کیں اور جنگ سے ذرا پہلے کے بین الاقوامی منظر کو سمجھنے کے لیے ان کے اندر نظر پیدا کی۔

امبیکا سین گپتا (نئی دلّی) Ambika Sen Gupta (New Delhi)

ہم یہاں ہیں، سب بڑھنے کی اَن تھک کوشش کر رہے ہیں اور وہ کرلیں گے وہیں پر شنکر ماما بھی موجود ہیں، تمام اس روش کو ہمارے اندر واپس بھرنے کے لیے۔

کارخانے بے حساب بڑھ رہے ہیں، آبادی غباروں کی طرح پھول رہی ہے، ایک مہربان بیلن، عورتوں کی سجاوٹ، بونکوں کی دانش مندی، کاروں کی دلداری کی خواہش۔ یہ ہے کہ ایک پُر سرور ذہن کا منظر نامہ۔ یہ صرف ایک علاحدہ قدم ہے، ایک چھوٹا ہی۔ اگر شنکر ماما آپ کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں، یہ بات ہوئی، واہ! لیکن آپ بھول گئے کہ فون کی گھنٹی بج رہی ہے۔

8

گھر لوٹنا تو اچھا ہوتا ہی ہے، اپنے وطن، اپنے لوگوں اور اپنے عزیزوں کے بیچ۔ شنکر کو ان سب کی کمی بہت کھلی۔ لیکن اپنے خطوں میں شنکر نے ان کا ذکر کبھی بھی نہیں کیا۔ ان سب سے بچھڑے انھیں ایک سال ہو گیا تھا اور ایک سال کا وقت بہت لمبا ہوتا ہے۔

بمبئی پہنچنے کے فوراً بعد شنکر تریوندرم کے لیے روانہ ہو گئے۔ سب کے لیے وہاں یہ ایک خوش گوار ملن کی گھڑی تھی۔ ان کے بچّے ایک سال بڑے ہو گئے تھے۔ دلّی جانے سے پہلے وہ کچھ اور دن کیرالا میں رہنا چاہتے تھے لیکن "دی ہندوستان ٹائمز" میں ان کا بے صبری سے انتظار ہو رہا تھا۔ اور جولائی 1939 کو وہ اپنی بیوی اور بچّوں سمیت دلّی لوٹ آئے۔

ہندوستان ٹائمز پڑھنے والوں کو ایک بار پھر شنکر کے جانے مانے کارٹون دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ انھیں ان کے کارٹونوں کی بہت کمی محسوس ہوتی تھی۔ انھیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ اس آرٹ میں اور علم حاصل کرنے کے لیے اخبار نے ہی شنکر کو لندن بھیجا تھا۔ وہ شنکر کے کارٹون دوبارہ شروع کرنے کے لیے اخبار کو خط بھیجتے رہے۔

شنکر اب شہر کے بیچوں بیچ بنگالی مارکیٹ کے بابر لین میں آکر رہنے لگے۔ اگلے بیس سال انھوں نے اسی بابر لین کے بڑے سے کشادہ اور آرام دہ مکان میں گزارے۔ شنکر کے لیے یہ گھر بہت اچھا ثابت ہوا جس نے انھیں بے شمار خوشیاں دیں۔ ان کی خواہشوں اور امنگوں کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا۔ یہ وہی گھر تھا جس میں کیرالا سے دلّی آنے والے ان کے رشتے دار اور جان پہچان والے ڈھیروں ملیالی لوگ آکر ٹھہرا کرتے۔ اس بات میں کوئی فرق کیے بنا کہ وہ آنے والا مہمان ایک سیدھا سادا عام سا آدمی ہے یا کوئی اثر و رسوخ والا، اگر وہ شنکر کا جاننے والا ہے تو اسے بہت ہی عزّت کے ساتھ گھر پر ٹھہرایا جاتا اور ان کی دل کش بیوی کی طرف سے مہمان نوازی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جاتی۔ اس گھر کے دروازے سب کے لیے کھلے تھے۔ اکثر کام کی تلاش میں دلّی آنے والے نئے شادی شدہ جوڑے

ان کے یہاں اس وقت تک ڈیرا جمائے رہتے جب تک ان کو کوئی ڈھنگ کا کام نہیں مل جاتا اور رہائش کا کوئی انتظام نہیں ہو جاتا۔ شنکر کی بیوی اپنا گھربار چھوڑ ان نئے شادی شدہ جوڑوں کی اس اجنبی شہر میں اچھی خاصی سرپرست بن جاتیں۔

وقت کے ساتھ ساتھ شنکر کا اپنا خاندان بڑھنے لگا۔ ان کے دو بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ بچے ابھی چھوٹے ہی تھے لیکن ان کی ماں کو فرصت کی کوئی گھڑی میسر نہیں ہوتی تھی لیکن آنے والے مہمانوں کا تانتا ابھی ختم نہیں ہوتا تھا اور ان میں سے کئی تو لمبے وقفے کے لیے وہیں رہتے۔ گھر جیسا ماحول دینے والے ان کے مکان میں سب کے لیے گنجائش تھی۔ اس میں شنکر کے بڑے دل جیسی ہی گنجائش تھی۔ گھر کے ہر کونے میں اور ان کے دل میں سب کے لیے برابر جگہ ہوتی۔

1942 میں دوسری عالمی جنگ کا تیسرا سال جاری تھا۔ ہندوستان کی راجدھانی اور سرگرمیوں کا مرکز ہونے کی وجہ سے دلّی میں تناؤ تھا اور وہاں کے عام لوگوں میں عدم تحفظ کا احساس پیدا ہو گیا تھا۔ برطانیہ کی طرف سے لڑنے کے لیے ہزاروں ہندوستانیوں کو بھرتی کیا گیا تھا۔ تمام تارکین اور فوجی نو آبادیاں امریکی فوجیوں سے بھری پڑی تھیں۔

شنکر اپنے خاندان کی حفاظت اور کام کے بیچ پھنس کر رہ گئے۔ انھوں نے انھیں کیرالا لے جانے کا فیصلہ کیا۔ رات بھر میں سارا سامان باندھ کر وہ تریوندرم کے لیے روانہ ہو گئے۔ ان دنوں ریل گاڑی سے وہاں جانے کے لیے چار دن کا سفر طے کرنا پڑتا تھا۔ تریوندرم میں متعلقین کو محفوظ اور مطمئن دیکھ کر شنکر کی بے کل طبیعت انھیں بمبئی لے گئی۔ انھوں نے اپنے پرانے دوستوں اور شناساؤں سے ملاقات کی اور جانے پہچانے علاقوں میں گھومے۔ انھیں اپنی جوانی کے بتائے یادگار دن یاد آنے لگے۔ ایک مہینے کے اندر وہ دلّی لوٹ آئے۔ ان کے گھر والوں کے دور ہو جانے کے باوجود ان کی زندگی کے طور طریقے میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اپنے ہی دوست احباب ان کے گھر آتے اور انھیں کیرالا کے لذیذ کھانے کھلائے جاتے۔ شنکر نے کچھ نئے دوست بھی بنا لیے تھے جس میں جنگ کے دوران دلّی میں تعینات کچھ امریکی صحافی بھی شامل تھے۔ وہ اکثر ان کے بابر لین والے مکان پر آتے اور بڑھیا دعوت سے لطف اندوز ہوتے۔ افراتفری کا ماحول ختم ہو جانے پر انھوں نے اپنے بیوی بچّوں کو واپس بلا لیا اور ایسا پریشان کن آٹھ مہینے کا عرصہ گزارنے کے بعد ہوا۔

ہندوستان کے سیاسی حالات میں تناؤ کے باوجود ہندوستان ٹائمز میں شنکر کا کام بنا کسی جھنجھٹ کے ہوتا رہا۔ گاندھی جی کی ستیہ گرہ تحریک کے ذریعے سامراجی نظام کے ظالم اور سفاک رنگوں کو ظاہر

ہندوستان میں امریکی سفیر کی اہلیہ مسز گالبریتھ (Ms.Galbraith) کے ساتھ چلڈرن آرٹ نمبر سے محظوظ ہوتے ہوئے

یوگوسلاویہ کی میڈم ٹی ٹو(Madame Tito) کو اپنی گڑیوں کی دنیا کی طرف لے جاتے ہوئے

کردیا گیا۔ پریس سے لے کر میز تک ہندوستان کے عوام میں ایک مستحکم تبدیلی آئی۔ برطانوی سامراج کے خلاف آزادی کی پالیسی نے شدّت اختیار کرلی۔ وقت کے ساتھ قدم ملاتے ہوئے شنکر نے سامراجی نظام کے خلاف سیاسی کارٹونوں کو ہوشیاری کے ساتھ ہتھیار بنایا۔ قومی مفاد، ہندوستان کی آزادی کے زور پکڑنے سے ان کے کام میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی۔

گاندھی جی کی قیادت میں شنکر نے قومی تحریک کی ثابت قدم ترقی کو آگے بڑھتے دیکھا تھا اور ان کی رگوں میں وہ جوش مار رہی تھی۔ انھوں نے بٹوارے کے دنوں میں ہندو مسلم احتجاج، قتلِ عام اور غارت گری کی ننگی سچائیاں بھی دیکھیں۔ ان کے بہت سے دوست جیلوں میں بند تھے۔ اپنے کارٹونوں میں سامراجی نظام پر تیکھے اور بے باک حملے کیے جانے کی وجہ سے ان کی خود کی زندگی کو بھی خطرہ تھا۔ بمبئی میں ان کے چچا ان کے ساتھ رہ رہے تھے۔ وہ ان کی حفاظت کو لے کر کافی پریشان رہتے اور شنکر جب تک گھر نہیں لوٹ آتے وہ بے چین رہتے۔ چاہے آدھی رات ہو جائے شنکر جب تک لوٹ نہیں آتے وہ جاگتے رہتے۔

لیکن حالات جلدی ہی بدل گئے۔ 15 اگست 1947 کو ہندوستان سامراجی حکومت سے آزاد ہو گیا۔ ہندوستانی عوام کے دلو میں امن و سکون پھر لوٹ آیا۔

ہندوستان ٹائمز کے ساتھ شنکر چودہ سال تک جڑے رہے۔ ان چودہ برسوں میں انھوں نے ہر بڑے روزنامہ اخبار کے لیے سیاسی کارٹونوں کو ایک ضروری چیز بنادیا۔ انتظامیہ کے ساتھ نظریاتی اختلافات کی بنا پر انھوں نے 1946 میں ہندوستان ٹائمز کو چھوڑ دیا۔ ایک ہندوستانی صنعت کار جناب ڈالمیا کے ساتھ مل کر "دی انڈین نیوز کرونیکل" نام سے ایک اخبار جاری کیا لیکن گیارہ مہینے میں ہی وہ اس سے الگ ہو گئے۔ کارٹون میں کیا ہو اس کے بارے میں ہدایتیں ملتیں۔ انھیں یہ بات برداشت نہ ہو سکی۔ وہ اپنے خیالات اور کام میں آزادی چاہتے تھے۔ بعد میں شنکر اکثر کہا کرتے تھے "میں نے وہ فیصلہ صحیح کیا تھا کیوں کہ بغیر کسی سرمائے کی موجودگی کے اپنا ہفتہ وار اخبار "شنکر ویکلی" کے نام سے نکال سکا۔

ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے 1948 میں "شنکر ویکلی" کا اجرا کیا۔ کارٹون پنڈت جی کی خود بڑی کمزوری تھی وہ بھی شنکر کے کارٹون۔ وہ ان پر خوب ہنستے اس لیے کہ اکثر شنکر کے قلم اور برش کا نشانہ پنڈت جی خود ہوا کرتے تھے۔ ویکلی کے پہلے شمارے کے اجرا پر انھوں نے کہا تھا "شنکر نے مجھے بخشا نہیں" اور شنکر کے دماغ میں یہ الفاظ ہمیشہ محفوظ رہے۔ نہرو نے شنکر کے کام میں گہری اور ذاتی دل چسپی لی اور اپنے آخری دنوں تک وہ شنکر کے اچھے دوست اور رہنما رہے۔

'شنکر ویکلی' نے نہ صرف ہندوستانی سیاست میں نیاباب جوڑا بلکہ شنکر کی سوچ کا پیانہ بھی وسیع بنایا۔ وہ اپنے کام میں اور زیادہ مستحکم اور محنتی بن گئے۔ ان کے کارٹونوں کے پیغام بلکہ صاف اور نمایاں ہوتے تھے۔ ایک اخبار کا اڈیٹر اور مالک بن جانے پر ایک آرٹسٹ کو جن ڈھیر ساری مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے شنکر نے ان سب کو پار کرلیا۔ ''شنکر ویکلی'' ایک ایسا فلاحی کام بن گیا جسے دنیا میں کسی کارٹونسٹ نے پیش کیا تھا۔

ویکلی کے شائع ہونے کے بعد کچھ ہی دنوں میں شنکر ہندوستان کے اب تک کے سب سے بڑے کارٹونسٹ تسلیم کرلیے گئے۔ ویکلی کے نئے شمارے کا سیاست دانوں، لیڈروں اور دانش وروں کو ہی نہیں بلکہ عام آدمیوں کو بھی بے صبری سے انتظار رہتا۔ جلد ہی ''شنکرس ویکلی'' اپنے آپ میں ایک ادارہ بن گیا۔

ویکلی نے اپنے لاکھوں چاہنے والوں کو طنز و مزاح کے نئے روپ پیش کیے۔ سرورق کے کارٹون سے لے کر اداریہ ''فری تھنکنگ''، ''مین آف دی ویک'' نامی پین پورٹریٹ، ''مارچ آف ٹائم'' کے ویکلی اخبار کے دل چسپ اور تجزیہ کارٹون ہر دل عزیز تھے۔ لوگ صفحوں پر صفحے پلٹتے جاتے اور ہلکے ہلکے مسکراتے رہتے۔ ''موٹا چھوٹا اور چھوٹا موٹا جی''، ''بڑا صاحب'' اور ''میم صاحب'' جیسے دو خاص کردار لوگوں کی توجہ کا مرکز تھے۔ ایسے بناوٹی اور دکھاوٹی کرداروں کو ایک عام معمولی گدھے کا چہرہ دیا اور ان کے مطابق یہ دونوں کردار نئی دلّی کی سوسائٹی کا آئینہ دار تھے۔ لیکن شنکر کے من میں کوئی بغض نہیں تھا۔ اپنے ویکلی کے بارے میں اپنی شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ بات کرتے ہوئے انھوں نے کہا ''یہ آپ ہو سکتے ہیں، یہ میں ہو سکتا ہوں یا یہ میری بیوی ہو سکتی ہے''۔

دلّی کے مشہور لیڈی اروِن کالج کے کون وکیشن میں شنکر کو بطور مہمانِ خصوصی بلایا گیا۔ شنکر ایک کے بعد ایک پُراعتماد لڑکیوں کو اسٹیج پر آکر ڈپلومہ لیتے ہوئے دیکھتے رہے۔ لیکن شنکر کے چہرے پر ایک حیرانی تھی۔ ان کا قریبی ساتھی اس وقت ان کے چہرے کو پڑھ کر یہ سمجھ سکتا تھا کہ شنکر کے دل میں اس وقت کچھ مچل رہا ہے اور یہی ہوا۔ اگلی صبح ہندوستان ٹائمز نے ایک ایسا دھماکا لگانے والا کارٹون چھاپا جو شہر بھر کے لوگوں کی بحث کا موضوع بن گیا۔

لیکن معاملہ یہیں ختم نہیں ہوا آل انڈیا ویمنس کانفرنس کی سربراہ راجکماری امرت کور نے اس پر اپنا سخت اعتراض بھیجا۔ آزادی کی لڑائی میں انھوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور اب عورتوں کی برابری کے حقوق کے لیے لڑ رہی تھیں۔ وہ اس کارٹون سے اس قدر خفا تھیں کہ انھوں نے ہندوستان ٹائمز

کے اڈیٹر دیوداس گاندھی جی کو ایک خط لکھا کہ شنکر کو اس اخبار سے فوراً برطرف کردیا جائے اور اپنے اخبار کے ذریعے شنکر سے معافی مانگنے کا مطالبہ کیا۔ انھوں نے کہا کہ شنکر نے ایک عوامی ادارے کی توہین کی ہے اور اسے برداشت نہیں کیا جاسکتا۔

شنکر کے خلاف جب کوئی کارروائی نہیں کی گئی تو وہ سب سروجنی نائیڈو کے پاس گئے جنھیں پیار سے سب ''اَکا'' کہتے تھے، سروجنی جی نے انھیں فون کرکے اس شکایت کے بارے میں بتایا لیکن ساتھ ہی یہ بھی جوڑ دیا کہ بہتر یہی ہوگا کہ وہ اس واردات کو بھول جائیں۔ لیکن وہ انھیں اس بات کا طعنہ دینا نہیں بھولیں کہ شنکر نے ایک لمبے عرصے سے انھیں اڈلی سانبھر کی دعوت پر نہیں مدعو کیا ہے۔

لیکن راجکماری امرت کور نے ہار نہیں مانی۔ انھوں نے شدّت سے محسوس کیا کہ شنکر نے پوری عورت ذات کے خلاف ناانصافی کی ہے اور ان کا مذاق اُڑایا ہے۔ آخری مرحلے کے طور پر وہ شنکر کے خلاف اپنی فریاد لے کر گاندھی جی کے پاس گئیں۔ گاندھی جی نے ان سے کہا کہ وہ شنکر کو بھی بلائیں۔ انھوں نے کہا میں تم دونوں کو ساتھ سنوں گا۔

اگلے دن شنکر اور راجکماری امرت کور، گاندھی جی کے سامنے حاضر ہوئے۔ پہلے انھوں نے امرت کور سے الزام لگانے کو کہا۔ وہ جتنی شدّت سے اپنی شکایت رکھ سکتی تھیں، رکھی۔ اس کے بعد انھوں نے شنکر کو اپنی صفائی دینے کو کہا۔ شنکر نے بہت ہی سکون سے ساری واردات کہہ سنائی جس سے متاثر ہو کر انھوں نے وہ کارٹون بنایا تھا۔ انھوں نے کہا ''ان سب نے بلا سوچے سمجھے اپنے چہروں کے رنگ جو کہ کالے، پیلے، نیلے، سفید، گلابی، براؤن کی پرواہ کیے بنا لپ اسٹک پوت رکھی تھی۔ ان سب کی لپ اسٹک کا رنگ گہرا تھا۔ میں نے سوچا کالج کے تین چار برسوں میں ان لڑکیوں نے شاید ہی کچھ سیکھا ہے اور میں نے محض یہی اپنے کارٹون میں دکھایا ہے'' اور انھوں نے گاندھی جی کو وہ کارٹون پیش کرتے ہوئے کہا اس کا کیپشن کیا ہے ''کناٹ پلیس میں لپ اسٹک سروس اسٹیشن کھولنے کا ارادہ'' کارٹون میں دکھائی گئی لڑکیاں لیڈی اروِن کالج کی نمائندگی کرتی ہیں اور وہ لڑکیوں کو لپ اسٹک لگا رہی ہیں۔ اسٹیج پر میں نے جو کچھ دیکھا اس سے مجھے بڑی جھنجھلاہٹ ہوئی اور اپنی اسی جھنجھلاہٹ کو میں نے کارٹون کی شکل دے دی۔ ان کی بہت ہی معصومیت سے کہی گئی ساری باتوں کو گاندھی جی نے خاموشی سے سننے کے بعد کارٹون کو دیکھا اور زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے کہا ''شنکر تمھیں بَری کیا جاتا ہے''۔

بہت سارے قومی لیڈر شنکر کے ویکلی کارٹونوں میں اپنے آپ کو دیکھنا چاہتے تھے۔ پنڈت جواہر لال

نہرو تو تیسویں دہے ہی میں شنکر کے مدّاح ہو گئے تھے۔ آزادی ملنے سے دس سال قبل نہرو نے کہا تھا کہ "ہم میں بناوٹ اور خود ستائی کا رجحان ہو تا ہے اور یہ اچھا ہے کہ ہمارے اوپر پڑے ہوئے یہ خود بینی کے نقاب کبھی کبھی پھاڑ دیے جاتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ شنکر لمبے وقت تک ایسا کرتے رہیں گے"۔ کئی سال بعد پنڈت نہرو نے پھر کہا "میں شنکرس ویکلی کی تنقید پر ہمیشہ نظر رکھتا ہوں کہ اس کے ذریعے مجھے اپنے آپ کو دیکھنے کا موقع ملتا ہے"۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ نہرو شنکر کے کارٹونوں کے دیوانے تھے۔ نہرو کی ساٹھویں سالگرہ پر ان کی بیٹی اندرا گاندی "شنکر ویکلی" کے آفس آئیں اور انھوں نے پنڈت جی کے تقریباً بیس کارٹونوں کا اصل کاغذ چن لیا۔ انھیں فریم کر والیا اور اپنے والد کو سالگرہ میں تحفے کے طور پر دیا۔

جانے مانے ماہر تعلیم، مدبّر اور ہندوستان کے صدر جناب ایس. رادھا کرشنن نے ایک بار شنکر کی پیٹھ ٹھوکتے ہوئے کہا "بہت خوب" جب کہ شنکر نے اپنے کارٹونوں سے ان کے بھی کان اینٹھے تھے۔

گاندھی جی کو بھی شنکر کے کارٹون بہت پسند تھے۔ لیکن ایک بار ہندوستان ٹائمز میں چھپے شنکر کے ایک کارٹون پر انھیں بھی اعتراض ہوا۔ انھوں نے شنکر کو ایک دو ٹوک خط لکھا "ڈیر شنکر! محض جناح پر بنایا آپ کا کارٹون بد مذاقی کا مظہر ہے اور یہ سچائی سے بھی دور ہے۔ آپ کارٹونسٹ کے محض پہلے امتحان میں پورے اُترتے ہیں۔ بطور فنی کارکردگی آپ کے کارٹون اچھے ہیں لیکن اگر وہ سچ نہیں بولتے اور کسی کو بے عزّت کیے بغیر مذاق کرنا نہیں جانتے تو آپ اپنے میدان میں بہت اوپر نہیں جائیں گے۔ آپ واقعات کا مطالعہ کریں مجھے معلوم ہے کہ آپ کو ان کا صحیح صحیح علم ہے۔ آپ کی تضحیک (تسخیر) کاٹ نہ کھائے۔ آپ میری بات کا بُرا نہ مانیں۔ آپ کا باپو!" شنکر نے اس تنقید کا بالکل بُرا نہیں مانا۔ کچھ دنوں بعد جب وہ گاندھی جی سے ملے تو دونوں نے اس کارٹون کے بارے میں بات چیت کی اور ایک دوسرے کے خلاف ان کی غلط فہمی دور ہو گئی۔ ان کا اختلاف کارٹون کی رائے زنی پر نہیں تھا بلکہ کارٹون کے برمحل ہونے پر تھا۔

"شنکرس ویکلی" ہندوستان کے بہت سے کارٹون نگاروں کے لیے تربیت گاہ بن گیا۔ ان میں سے سیمول، کٹی، رنگا، ابو، او. وی. وجین، کیرل ورما (کیوی) اور بعد میں کی پٹیل، یسوداسن، پرکاش گھوش اور بہت سارے لوگ ہیں۔ شنکر کے لیے ان کے من میں کتنا پیار ہے یہ انھوں نے شنکر کی ستر ویں سالگرہ پر کارٹون کے ذریعے ظاہر کیا۔

ویکلی کے ساتھ کام کرنے والوں میں جناب چلاپتی راؤ (بعد میں نیشنل ہیرالڈ کے اڈیٹر بنے)، لنک اور

پیٹریٹ کے جناب ایدا تا نارائن، جناب پی. وشواناتھ (پیٹریٹ کے اڈیٹر رہے) اور جناب پوتھن ابراہیم اور جناب سی. پی. رامچندرن (دونوں ہی ہندوستان ٹائمز میں تھے)۔ فلموں پر مضمون اور تبصرہ لکھ کر مسز اپیتا ملک نے فلموں کو عوام میں بہت مقبول کردیا۔ جمعرات کی صبح ہر قیمت پر ویکلی کے شمارے کے نکلنے کا سہرا جناب آر. پی. نائر کو جاتا ہے۔ اس کے لیے وہ بہت زیادہ بھاگ دوڑ کرتے۔ مضامین اکٹھا کرنا، انھیں پریس تک لے جانا اور ویکلی کی تقسیم کا انتظام کرنا انہی کے ذمّے تھا۔ شنکر کے رشتے کے بھائی جناب این. ایم. پلّئی جو "بے پی" کہے جاتے تھے، چوبیس گھنٹے کی ڈیوٹی پر ہوتے۔

ویکلی کا دفتر کناٹ پلیس میں اوڈین سنیما کی تیسری منزل پر تھا۔ گھنٹوں تک کام کرنے کے بعد دفتر کا ماحول خوش دلی کا رہتا۔ اسٹاف کے دو لوگوں نے دفتر کو اپنا گھر بھی بنا رکھا تھا۔ وہ رات کو میزوں پر سے کتابیں اور فائلیں ہٹا کر اسے اپنا بستر بنا لیتے۔ جوہری ہر فن مولا تھا، وہ خانساماں بھی تھا، چپراسی بھی تھا اور تمام دوسرے کام بھی کرتا تھا۔ انھیں یا تو اُن کے رُتبے کو جھیلنا پڑتا یا بھوکا رہنا پڑتا۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد اپنے غیر شادی شدہ دوستوں کے ساتھ بے ہنگم اور بے سُرے گانے زور زور سے گاتے رہتے جب تک کہ انھیں نیند نہیں آجاتی۔

صبح شنکر کا سامنا کرنا ان کی پریشانی کا سبب ہوتا۔ صبح سویرے اُٹھنے والے شنکر دفتر آکر انھیں جگادیتے۔ اس کے بعد وہ کارٹون بنانے کے لیے گہرے نیلے رنگ کا اپرن پہن کر کمرے میں بند ہو جاتے۔ اپنے کام میں پوری طرح کھوئے ہوئے شنکر لگاتار سگریٹ پیتے جاتے۔ ایک دن میں پچاس سگریٹ کے دو ڈبے ان کا عام کوٹہ تھا۔ لیکن زبردست قوتِ ارادی کے مالک شنکر نے اچانک ایک دن سگریٹ پینا چھوڑ دیا۔

کچھ ہی گھنٹوں میں چند کارٹون بن کر تیار ہو جاتے۔ اس کے بعد شنکر اسٹاف کارٹونسٹ کو بلا کر اس کارٹون کا عنوان لکھواتے اور کبھی کبھی پس منظر بنانے کو کہتے۔ شنکر کی اہلیہ دوپہر کے آس پاس کھانا بھیج دیتیں۔ وہاں کام کرنے والے غیر شادی شدہ لوگوں کے لیے ان کے دل میں نرم گوشہ تھا اور اکثر وہ اتنا کھانا بھیجتیں جو سب کے لیے کافی ہوتا۔

"شنکرس ویکلی" ان سب خوش گوار لمحوں کی پیداوار تھا۔ اسے پنچ (Punch) آف انڈیا بتاتا۔ اسے پڑھنے والے کی تعداد جو کاپیاں لوگوں تک پہنچتی تھیں اس کے اعداد و شمار سے کہیں زیادہ تھیں۔ اس کے تین چوتھائی سے زیادہ پڑھنے والے عوام اور کالج لائبریریوں میں تھے۔

شنکر میں توانائی کی کوئی حد نہیں تھی۔ ویکلی کے شائع ہونے کا دن ہی ان کے آرام کا دن ہو تا۔ اگلے دن ان کے کاموں کا سلسلہ پھر شروع ہو جاتا۔ وہ اگلے شمارے کے لیے نئے نظریات، خیالات اور خاص خبریں تلاش کرنا شروع کر دیتے۔ شنکر مستقل مزاجی سے اپنے روز مرہ کی مصروفیات پر ڈٹے رہے اور ہفتہ در ہفتہ ویکلی کے لیے جہاں تک ممکن ہو سکا اپنے وقت کو وقف کر دیا۔ یہ ایسا کام تھا جو کسی دوسرے کے صبر اور حوصلے کو آزما سکتا تھا۔ لیکن شنکر نے اپنے ویکلی کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا۔ 1975 میں ویکلی کے بند ہونے تک شنکر کے ویکلی کے تئیں اپنی جاں نثاری کی وجہ سے تین دہے تک یہ پھلتا پھولتا رہا اور لوگوں کی نظر میں اس کی عزت بڑھتی گئی۔ اس وقت تک شنکر خود چھہتر سال کے ہو چکے تھے۔ ویکلی نکالنا ایک مشکل کام تھا لیکن شنکر نے اسے کمر توڑ محنت کے ساتھ بغیر کسی خلل یا وقفے کے لگاتار نکالا۔ لیکن محض ایک آدمی کے لیے یہ کام بہت زیادہ تھا۔ ایک وقت ایسا بھی آگیا جب انھیں یہ ویکلی جاری رکھنا ایک مشکل کام لگنے لگا اور اپنے چاہنے والوں کو آخری تحفے کے طور پر ایک ضخیم یادگار شمارہ نکالا۔ اس میں انھوں نے اب تک کے اپنے بہترین کارٹون اور ویکلی کے بہترین مضامین شامل کیے۔ ویکلی کے اس الوداعی شمارے میں شنکر نے لکھا "شنکر ویکلی ایک بڑا چھوٹا رسالہ تھا جب کہ اس میں کمیاں بھی تھیں۔ ہم چکنے کاغذات یا رنگین سر ورق کا خرچ نہیں اٹھا سکتے تھے۔ ہم مصنفوں اور کارٹون نگاروں کو رسائل میں مل رہی آمدنی کے برابر پیسہ بھی نہیں دے سکتے تھے۔ پھر بھی میں سمجھتا ہوں کہ شنکر ویکلی نے تحریر اور کارٹون نگاری دونوں کو ایک نیا رجحان دیا۔ اس کا مقصد لوگوں کو دانشورانہ سوچ دینا تھا اور مجھے لگتا ہے کہ آخر تک ہم نے اس کردار کو کم و بیش بر قرار رکھا۔

سائمن مولین (آسٹریلیا) Simon Mullen (Australia)

شنکر ایک مہربان، دوسروں کا خیال رکھنے والے اور تعاون کرنے والے شخص تھے۔ ان کا بچّوں کے تئیں پیار اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے دنیا بھر کے مختلف ممالک سے ہمیں بچّوں کو ایک انجمن (خاندان) کے طور پر اپنے انعامات لینے کے لیے ہندوستان بلایا۔ وہ 'امن کے ڈکیٹر' ہیں۔ ہم سب کو اپنے گھر، اپنے خاندان کے ساتھ کھانے پر مدعو کیا لیکن میں اس بات پر زیادہ زور دوں گا کہ میرے لیے ان کے کردار کا سب سے پسندیدہ پہلوان کا لوگوں سے بالخصوص بچّوں کے تئیں پیار تھا۔

9

زندگی کے ان مصروف دنوں کے دوران شنکر کے دماغ میں ایک نیا خیال انھیں بے چین کیے رہتا تھا۔ دلّی کی کئی نمائشوں میں جانے کے بعد انھیں یہ خیال سوجھا۔ انھیں لگا کہ مختلف فنی کاموں میں کہیں کچھ کمی ہے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ فن کا معیار اونچا ضرور ہونا چاہیے اور بچّوں کو کم عمری ہی میں فن سے لگاؤ پیدا کر کے ایسا کیا جاسکتا ہے۔

ایک بار ایک کارٹون مکمل کرنے کے بعد شنکر اپنی آرام کرسی پر پُر سکون بیٹھے تھے۔ انھوں نے کہا "میں اکثر یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں لگاتار لیڈروں کو ہی نشانہ کیوں بناتا ہوں اور بڑے بڑے اثر و رسوخ والوں کی کمزوریوں اور بیوقوفیوں کا پردہ فاش کرتا ہوں۔ ان بڑے لوگوں کو کیوں نہ کچھ دنوں تک ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے؟ مجھے اب بچّوں کو جاننے کی کوشش کرنی چاہیے۔ بچّے خوب صورت، پیارے اور ناخراب کردہ ہوتے ہیں۔ وہ سب کچھ بہتر پانے کے حق دار ہیں"۔

بچّوں کے لیے کچھ کرنے کی ان کی یہ لگن رنگ لائی اور 1948 میں شروع کرنے کے دن سے ہی یہ تیزی سے چاروں طرف پھیل گئی۔ ایک حسّاس فن کار کے ذہن میں عجیب سا ہیجان برپا ہوا جو کہ بچّوں کے ڈرائنگ بنانے اور لکھنے کے مقابلے (Children Competition in Drawing and Writing) کی صورت میں سامنے آیا۔ شنکر نے کوئی بھی وقت برباد نہیں کیا۔ انھوں نے اپنے خیالات کی تکمیل کے لیے اعلا پیانے کی سرکاری میٹنگوں یا فنڈ کا انتظار نہیں کیا۔ مقابلے کا عام اعلان کردیا گیا اور ہندوستان کے ہر کونے سے سیکڑوں کی تعداد میں شرکت کے لیے بچّوں کی کارگزاریاں آنی شروع ہوگئیں۔ جناب بی. سی. سانیال اور جناب کے. ایس. کلکرنی جیسے فن کاروں اور جناب چلاپتی راؤ جیسے ادیبوں کی ایک کمیٹی ان کی مدد کے لیے بنائی گئی۔ شنکر نے بذاتِ خود اس سرگرمی میں حصّہ لیا۔ سبھی مقابلے کی کارگزاریاں چاہے وہ لکھی ہوئی ہوں یا ان میں رنگ بھرا گیا ہو، سب کی چھان بین کی گئی اور جو منتخب کی گئیں انھیں تمغے اور انعامات دیے گئے۔ انعام پاتے وقت بچّوں میں جو جوش و ولولہ یا ان کے والدین کے چہروں پر جو خوشی تھی وہ سب دیکھنے کے لائق تھی۔

وزیراعظم جناب لال بہادر شاستری
انعام حاصل کرنے والے ایک بچے کی
پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے

چلڈرن آرٹ نمائش کا دورہ کرتے ہوئے صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین

اپنے ایک گہرے دوست جناب چلاچی راؤ کے ساتھ

اس مقابلے کے حدود اور اس کی افادیت میں اضافہ ہوتا گیا۔ شنکر اس کی کامیابی سے اتنے زیادہ خوش ہوئے کہ دسمبر 1949 میں انھوں نے 'شنکرس ویکلی' کا ایک خاص شمارہ کلیتاً بچّوں کے لیے شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔ بچّوں کا پہلا شمارہ ہی زبردست کامیاب رہا۔ پنڈت نہرو، جناب سی. راجا گوپالا چاری، سردار پٹیل اور دوسرے لوگوں نے تعریف کے ساتھ حوصلہ افزائی کے پیغامات بھیجے اور ہندوستانی بچّوں میں مختلف فنون کا جذبہ جگانے کے ارادے سے شروع ہوئی یہ چنگاری جنگل کی آگ کی طرح ہر سو پھیل گئی اور اس نے شنکر کے اس مقابلے کو قومی سطح سے بین الاقوامی سطح کا بنادیا۔

انھوں نے محسوس کیا کہ انھیں اس خوشی کے لمحات میں دوسرے ممالک کے بچّوں کو بھی شامل کرنا چاہیے۔ نئی دلّی میں قائم متعدد سفارت خانوں اور وزارت خارجہ کی مدد سے انھوں نے اس مقابلے کو اب دوسرے ممالک میں بھی پھیلا دیا۔ اس کے نتائج حوصلہ کن تھے۔ 'شنکرس ویکلی' کے دوسرے خصوصی شمارے برائے اطفال میں 13 ملکوں سے شرکت کے خطوط آئے۔ یہ 1950 کی بات ہے۔ شنکر نے اس زمانے کو فخر یہ یاد کرتے ہوئے کہا کہ "ایک شخص میں سب سے زیادہ جوش و خروش تھا اور وہ تھے پنڈت جی"۔ یہ مقابلہ اب ایک بین الاقوامی تحریک بن گیا جس میں پورے عالم کے تقریباً سبھی ممالک کے بچّے شامل ہو گئے۔

اس اہم اور حیرت انگیز کام میں شنکر کو پنڈت نہرو کی جانب سے ہر طرح کی حوصلہ افزائی اور ساتھ ملا، بچّوں کے لیے ان کا سچا پیار، شنکرس ویکلی کے 1949 کے ابتدائی شمارے برائے اطفال پنڈت جی کے تحریر کردہ خط میں صاف نمایاں ہے۔ انھوں نے لکھا "اگر آپ میرے ساتھ ہوں تو مجھے آپ سے باتیں کرنے میں بہت اچھا لگے گا۔ ہماری اس خوب صورت دنیا کے بارے میں بات کرنے میں مزہ آئے گا یہاں کے پھولوں اور پودوں، پرندوں اور جانوروں، پہاڑوں اور برف کے تودوں اور تاروں سمیت ان تمام حیرت انگیز چیزوں کے بارے میں جنھوں نے اس دنیا میں ہم کو گھیر رکھا ہے۔ اتنی خوب صورتی ہمارے چاروں طرف ہے اور اس کے باوجود جو بڑے ہیں وہ اکثر ان سب کو بھول کر لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ ہم اپنے دفتروں میں بیٹھے رہتے ہیں اور سوچتے رہتے ہیں کہ ہم بہت ضروری کام کر رہے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ آپ زیادہ معقول ہوں گے اور اپنے چاروں طرف بکھری اس خوب صورتی اور زندگی کو پوری طرح محسوس کیا ہوگا۔ کیا آپ پھولوں کو ان کے نام سے جانتے ہیں؟ اور پرندوں کو ان کی بولی سے پہچانتے ہیں؟ آپ کو معلوم ہے کہ اگر آپ پیار اور دوستانہ رویّہ اختیار کریں تو انھیں اور قدرت

کی تمام چیزوں کو دوست بنالینا کتنا آسان ہے؟ آپ نے پرانے زمانے کی پریوں کی اور دوسری طرح کی کئی کہانیاں سنی ہوں گی۔ لیکن یہ دنیا اپنے آپ میں اب تک لکھی گئی کسی بھی پریوں کی داستان اور تجسس بھری کہانی سے کہیں زیادہ اہم داستان ہے۔ اس کے لیے صرف ضرورت ہے کہ آنکھ کو کھلی رکھی جائے۔ کان سے سنا جائے اور ایک ایسا ذہن جو دنیا کی زندگی اور خوب صورتی کے لیے کھل جاتا ہے دنیا کو بہتر طور پر سمجھا جاسکے"۔

پیار اور سمجھ کے یہ دو الفاظ ہیں جنھیں ہر پیڑھی کے ہر بچے کو پڑھنا اور سمجھنا چاہیے اور یہ بہت جلد ثابت ہو گیا کہ شنکر کو اپنے اس منصوبے میں پنڈت نہرو نے جو حوصلہ دیا اس کے مثبت نتائج سامنے آئے۔ 1949 سے 1964 ان کے انتقال سے ایک سال پہلے تک اگر پنڈت نہرو شہر میں ہوتے تو فن کار بچوں اور مصنفین کے سالانہ جلسہ تقسیم انعامات میں شریک ہونا کبھی نہیں بھولتے۔ شنکر کے لیے وہ گھڑی ہمیشہ فخر کی گھڑی ہوتی۔

شنکر نے ان دنوں کو یاد کرتے ہوئے بتایا "1955 میں صدر جمہوریہ نے بچوں کی مصوری کی نمائش کا رسمی طور پر افتتاح کیا۔ اس وقت کنیڈا کے سفیر نے کلیدی خطبہ دیا جس کے آخر میں انھوں نے مذاق میں کہا 'دلی کا نام تبدیل کر کے شنکر نگر رکھ دینا چاہیے'۔ یہ مقابلے کی کامیابی کی دلیل تھی"۔

"آئندہ برس 1956 میں جلسہ تقسیم انعامات کے لیے نیشنل اسٹیڈیم کا انتخاب کیا گیا جس میں لوگوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی"۔ شنکر نے ان گزرے دنوں کو فخر کے ساتھ یاد کرتے ہوئے کہا۔

"ایک بار 1957 میں صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرساد انعامات تقسیم کر رہے تھے۔ اس جلسے کا اہتمام ریگل تھیٹر میں کیا گیا اور تبھی پنڈت جی اچانک وہاں آ گئے۔ انھوں نے بچوں کو دیکھا اور پھر چپ چاپ پہلی صف میں بیٹھ گئے"۔ اگلے روز انھوں نے شنکر کو اپنے گھر بلایا اور شکایت کی کہ تقسیم انعامات کے لیے کسی اور کو بلا کر انھوں نے ٹھیک نہیں کیا۔ انھوں نے فرمایا "آپ کو پہلے مجھے بلانا چاہیے تھا، اگر میرے پاس وقت نہیں ہوتا تب آپ کسی اور کو بلاتے"۔ اس کے بعد اس جلسے کے لیے سب سے پہلے پنڈت نہرو کو ہی دعوت دی جاتی۔

مقابلے کے بعد شائع ہونے والے شنکرس ویکلی کے اطفال نمبر کو شنکر نے لندن سے شائع ہونے والے 'ٹائمز' کو بھیجا اور ٹائمز کے تبصرے سے وہ بہت خوش ہوئے۔ جس میں کہا گیا کہ فن اور تحریر کے حوالے سے بچوں کے درمیان ایک مقابلہ شروع کیا گیا ہے اور یہ برطانیہ اور امریکہ میں نہیں بلکہ

ہندوستان میں اس کا آغاز ہوا۔ اور اس نظریے کا خالق وہ ہندوستانی اور کوئی نہیں شنکر ہی تھا۔

ایک مرحلے پر آئرلینڈ کی ایک خاتون 'میرین کنگ' بین الاقوامی مقابلے سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ انھوں نے آئرلینڈ میں ذاتی طور پر بچّوں سے ان کی مصوری (پینٹنگ) اور مضامین جمع کیے اور انھیں مقابلے میں شامل کرنے کے لیے ہندوستان بھیجا۔ یہ سیکڑوں کی تعداد میں تھے جن میں سے کچھ مصوری اور مضمون نویسی، دیواری کاغذ پر کی گئی تھی۔

سالانہ چلڈرن آرٹ نمبر کا چوتیسواں نمبر بذاتِ خود شنکر کی تخلیق تھی۔ وہ بد سلیقہ، بے جان اور میکانکی نظامِ تعلیم سے بالکل اکتا چکے تھے اور انھیں لگا کہ پوری طرح بچّوں کے ذریعے لکھا اور بنایا گیا یہ آرٹ نمبر ہندوستان اور غیر ملکوں کے بچّوں میں تخلیقی تعلیم کو بڑھاوا دے گا۔

آرٹ نمبر کا پہلا شمارہ ہندوستانی بچّوں میں حد سے زیادہ مقبول ہوا۔ ان صفحوں میں بچّے کے ذہن کے تخلیقی خیالات کی صاف عکاسی تھی۔ اگلے برس جب اس کا دوسرا نمبر آیا تو شنکر بین الاقوامی "پائیڈ پائپر" بن چکے تھے جس نے دنیا بھر کے ننھے بچّوں کو حیرت انگیز فن کارانہ رفاقت کے حیرت انگیز 'ناممکن سے ناممکن' جہاں میں لے جانا چاہا۔

شنکر سبھی نسلوں اور طبقوں کے پانچ سے پندرہ سال کے بچّوں کی ذہنی اڑان اور ان کے خیالات کی عکاسی کے بے حد خوب صورت انداز سے بہت متاثر ہوئے۔ وہ بچّوں کے خوب صورت خیالات سے حاصل خوشی اور جوش و خروش کو ملک بھر کے لوگوں کے ساتھ بانٹنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے انھوں نے ہندوستان کے کچھ بڑے شہروں میں بچّوں کی مصوری (پینٹنگ) کی نمائش لگانے کا فیصلہ کیا۔ ایسی پہلی نمائش 1951 میں مدراس میں لگائی گئی۔ اس کے بعد تریوندرم اور بمبئی میں انھیں لگایا گیا۔ ان نمائشوں کو لگانے کے لیے انھوں نے بذاتِ خود بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ وہاں بانس کھڑے کرنے سے لے کر تمام چھوٹے موٹے کاموں میں بھرپور ہاتھ بٹایا۔ پورے وقت وہاں خاموش کھڑے ہو کر نمائش دیکھنے والوں کے تاثرات محسوس کرتے۔

ان نمائشوں کی کامیابی نے شنکر کو بچّوں کے لیے اور کچھ کرنے پر اُکسایا اور انھوں نے جو بھی کیا اپنے خود طے کیے ہوئے اس مقصد کے تحت کیا کہ "بچّوں کے لیے صرف بہترین ہی اچھا ہے" وہ بچّوں کی خداداد صلاحیتوں چاہے وہ آرٹ کے دائرے میں ہوں خواہ موسیقی یا رقص یا پینٹنگ ہو، وہ اسے آگے بڑھانے کی حوصلہ افزائی کرنا چاہتے تھے۔ 1954 میں شنکر نے اپنے خیالات کو عملی شکل دی اور بچّوں

کے لیے رقص، ڈرامہ اور موسیقی کے مقابلے منعقد کیے۔ اس میں صرف بڑی بعداد میں حصہ لینے والے ہی نہیں آئے بلکہ بہت بڑی تعداد میں دیکھنے والے بھی آئے۔ سات دنوں میں بچّوں کے سو سے زیادہ کام دیکھ کر لوگ حیرت میں پڑ گئے۔

دلّی، گوالیار، کانپور اور پنجاب کے بچّوں نے ایک ہی پلیٹ فارم پر اپنے فن کا مظاہرہ کیا اور ان شرمیلے لیکن کچھ کر دکھانے کی صلاحیت رکھنے والے بچّوں نے ایک دوسرے سے گھل مل کر اپنے خیالات اور علم کو آپس میں بانٹا۔ اس میں دلّی کے سفارتی مشن کی طرف سے بھی بہت ساری بین الا قوامی شرکت کی اطلاع آئیں۔ ان میں انڈونیشیا کے بچّوں نے "دیا رقص" دکھا کر سب کا دل جیت لیا۔

شنکر نے یہ سب اکیلے ہی اپنی محنت سے کیا۔ آدھی رات تک وہ وہیں جمے رہے۔ ظاہر ہے اس میں ان کے ہمدرد اور ان کے دوست ان کا ساتھ دیتے۔ ان کی بیگم ان کی صحت کو لے کر اکثر پریشان رہتیں لیکن ان کا جوش و خروش کسی طرح کی تھکان کو اپنے اوپر حاوی نہیں ہونے دیتا اور آخر دن انعامات تقسیم ہونے تک وہ اسی جوش و خروش سے وہاں موجود رہے۔ بچّوں کے لیے یہ بہت فخر اور مسرّت کا لمحہ ہوتا جب وہ اپنے چہیتے چاچا نہرو کے ہاتھوں انعامات پاتے۔ انعام پانے والی چار وسنگھا، جیت سنگھ اور مادھوی مدگل دونوں اتنی چھوٹی بچّیاں تھیں کہ انھیں چاچا نہرو نے اپنی گود میں اُٹھا کر ناظرین کو دکھایا اور آج تیس سال بعد یہ دونوں دل کش نوخیز دوشیزائیں مشہور رقاصہ ہیں۔ پہلی نے منی پوری اور دوسری نے کتھک اور اڑیسی رقص میں مہارت حاصل کی ہے۔ یہ الگ قسم کا فیسٹول تھا جس کی یادیں بچّوں اور بوڑھوں میں اسی دن کی طرح تازہ ہیں۔

اس دن کے بعد سے جب کہ یہ ایک نیا اور مشکل راستہ تھا، شنکر نے کبھی پیچھے مُڑ کر نہیں دیکھا۔ پینٹنگ مقابلہ اور تھیٹر تہوار کی کامیابی نے ایک الگ رنگ دے دیا۔ "میں ان بچّوں کے لیے اور زیادہ کروں گا۔ اب میں نہیں رُک سکتا"۔ بچّوں کے لیے زیادہ سے زیادہ کرنے کے ان کے ارادے نے "شنکرس ویکلی" کے کام اور کارٹون نگاری میں کوئی اڑچن نہیں پیدا کی کیوں کہ یہ ویکلی ہی ان کی روزی روٹی تھا۔ "شنکرس ویکلی" کے کارٹون نگاری میں سوائے ان کے غیر ملکی دوروں کے کبھی بھی رکاوٹ نہیں آئی۔ اتنی مصروفیت کے بعد بھی ان کی ویکلی کا سرورق کارٹون، تین چار سیاسی کارٹون اور "مارچ آف ٹائم" دینا ضروری ہوتا تھا۔ اس میں صرف ایک بار رکاوٹ آئی جب وہ وزیر اعظم جواہر لال نہرو کے 1955 کے سوویت یونین کے دورے میں صحافیوں کی ٹیم کے ساتھ گئے تھے۔ اس دورے میں شنکر کے بہت اچھے دوست جناب چلاپتی راؤ بھی تھے۔ راؤ نے دو مہینے کے اس دورے کو ان الفاظ میں یاد کیا

''شنکر اور میں پہلے سوویت یونین اور پھر یورپ دو مہینے گھومتے رہے۔ وہ ایک طرف جانا چاہتے تھے اور میں دوسری طرف۔ وہ ماسکو، الما آتا (Alma Ata)، زیورچ (Zurich) یا پیرس کے لوگوں میں گھلنا ملنا چاہتے تھے اور مجھے لگتا تھا کہ میں ان میں شامل ہو کر اپنا وقت نہ ضائع کروں۔ چیزوں کو جاننے کی عادت سے شنکر کبھی تھکے نہیں''۔ جناب راؤ نے آگے کہا ''وہ اتنا پکا سبزی خور ہے کہ نہرو کی درخواست پر سوویت سرکار نے ہر طرح کی سبزیاں فراہم کرائیں''۔

''اس سوویت دورے میں شنکر کا ایک شاندار مقرر کا روپ بھی سامنے اُبھر کر آیا۔ شروع میں تو تھوڑی جھجھک تھی لیکن بعد میں ایسا کچھ نہیں دیکھنے کو ملا۔ وہ بہت پُر جوش تھے بولتے وقت ان کا دل و دماغ ایک ہو تا۔ ان کے اپنے مضامین پر ان سے بہتر بولنے والا دنیا میں شاید ہی کوئی ہو''۔

اپنے عزیز دوست کے بارے میں کہے گئے پُر خلوص، سنجیدہ خیالات، جسے انھوں نے ہندوستان کے سب سے بڑے کارٹونسٹ کی شکل میں دیکھا تھا لیکن جواب ایک دم الگ ہی دنیا، بچّوں کی دنیا اور ان کی بے شمار ایکٹیوٹی میں کھو کر رہ گئے۔

پیٹرا روزکووا (چیکوسلواکیہ) (Petra Rozcova (Czechoslovakia))

جناب شنکر نے مجھے بڑا متاثر کیا۔ وہ بچّوں سے بہت رحم دلی اور اچھی طرح سے پیش آتے۔ انھوں نے اس بات کی بہت کوشش کی کہ ہمیں ہندوستان پسند آئے۔ وہ چاہتے تھے کہ ہمیں جتنا ممکن ہو اس کے بارے میں جان لیں اور ہماری باقی ماندہ زندگی میں یہاں کی خوش گوار یادیں ہوں۔ وہ ہمارا اپنے بچّوں کی طرح خیال رکھتے۔ شنکر کی جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ بچّوں کی صلاحیتوں کے تئیں ان کا پیار تھا، بچّوں سے ان کے پیار اور توجہ کے بارے میں کچھ لوگوں کا خیال ہو سکتا تھا کہ شنکر صرف غیر ممالک کے بچّوں کا ہی خیال کرتے ہیں لیکن یہ سچائی نہیں تھی۔ میرے پاس شنکر کو جاننے کے لیے بہت کم وقت تھا لیکن اس تھوڑے سے وقفے میں مجھے یہ اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ شنکر کا نشانہ صرف بچّوں کی خوشیاں تھیں۔ اور مجھے یقین ہے اگر ان کے بس میں ہوتا تو شاید وہ ساری دنیا کے بچّوں کو خوشیاں فراہم کر دیتے۔

جناب شنکر کے ساتھ ایک اور خوش گوار ملاقات پراگیو میں ہال آف پامیر میں ہوئی۔ مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ جناب شنکر نے مجھے یاد رکھا وہ بھی اتنے لمبے عرصے کے بعد۔ یہ ایک خوش گوار موقع تھا۔

میں دلّی میں گزارے ہوئے وقت کو کبھی بھی نہیں بھولوں گی۔ وہ ایک ہفتہ میری زندگی کا اب تک کا حسین ترین وقت تھا۔ اس ایک ہفتے کی یادیں زندگی بھر میرے ساتھ رہیں گی۔

10

بچّوں کے لیے شنکر کے خیالات کا اُفق مزید وسیع ہو گیا۔ انھوں نے محسوس کر لیا تھا کہ اگر بچّوں کی صحیح طور پر ہمت افزائی اور رہنمائی کی جائے تو ساری دنیا کے بچّے خوب صورتی کے لیے اپنے پیار کو مختلف طریقوں سے ظاہر کر سکیں گے اور اس کے لیے زیادہ سے زیادہ پروگرام ترتیب دینا چاہیے۔

ہنگری کے سفیر کے ذریعے تحفے میں دی گئی مگیار (Magyar) گڑیا سے متاثر اور گرویدہ ہو کر شنکر کے ذہن میں ایک نیا خیال آیا کہ وہ ساری دنیا سے گڑیائیں اکٹھی کریں گے۔

انھوں نے کوئی وقت نہیں ضائع کیا۔ وہ چاچا نہرو کی رہائش گاہ تین مورتی ہاؤس پہنچے اور ناشتے کے میز پر ان سے ملاقات کی۔ جیسے ہی انھوں نے اپنے اس نئے خواب کے بارے میں بتانا شروع کیا نہرو جی نے بڑے صبر اور سکون سے ان کو سنا۔ ان کی بس ایک ہاں کرنے کی دیر تھی کہ شنکر نے اپنے پلان کو آگے بڑھانا شروع کر دیا۔ شنکر نے مختلف گڑیاں جمع کرنی شروع کر دیں اور اس وقت تک جمع کرتے رہے جب تک ان کا ایک ذخیرہ نہیں بن گیا۔ سب سے بڑا مسئلہ اس وقت جگہ کا تھا۔ وہ اپنی گڑیاں کہاں رکھتے۔ اپنے خاندان، مہمانوں، عزیزوں، ملاقاتیوں کے علاوہ ان کی بیوی کو گڑیوں کے لیے بھی اسی گھر میں جگہ نکالنی تھی۔ ان کو اس بات کا اچھی طرح احساس تھا کہ ان کے شوہر کو ان گڑیوں کا کتنا خیال ہے۔ "کبھی کبھی شاید اپنے بچّوں سے زیادہ ہی"۔ ان کے خاندان کے ایک فرد نے مزاح میں یہ بات کہی تھی۔

ان گڑیوں کو ایک اسٹیل کے بکس میں لپیٹ کر رکھا جاتا اور وقفے وقفے سے ان کو ہوا اور دھوپ دکھائی جاتی۔ کچھ ہی عرصے میں یہاں کے بہت سارے سفیروں کو شنکر کے اس شوق کا علم ہو گیا۔ ان میں سے زیادہ تر انھیں بحیثیت کارٹونسٹ جانتے تھے اور ان کی سمجھ اور مضحکہ خیز پہلو کے لیے ہمدردی کا جذبہ رکھتے تھے۔ اب انھوں نے شنکر کو اپنے ممالک کی گڑیائیں تحفے میں دینی شروع کر دیں۔ بلاشبہ چاچا نہرو نے بھی اپنی تحفے میں ملی کسی بھی گڑیا کو شنکر کو عنایت کرنا نہ بھولا۔

شنکر کی گڑیوں کی گنتی جیسے جیسے بڑھتی جا رہی تھی وہ بالکل بچّوں کی طرح خوش ہو رہے تھے لیکن ایک وقت ایسا آیا جب گھر میں اتنی ساری گڑیائیں رکھنا ناممکن سا ہو گیا۔ وہ تقریباً 40 سے زیادہ صندوقوں

میں رکھی گئی تھیں اس لیے یہ سارے ٹرنک کناٹ پلیس کے ایک گودام میں منتقل کر دیے گئے جس کو شنکر نے ہفتہ وار کرائے پر لیا تھا۔

ایک ایسا وقت آیا جب شنکر نے محسوس کیا کہ اپنی اس خوشی کو وہ صرف خود تک، اپنے خاندان تک اور اپنے دوستو تک ہی نہیں محدود رکھ سکتے وہ چاہتے تھے کہ بچّے ان کے لباس، ان کی تہذیب، ان کے رسم و رواج اور وہاں کے لوگوں کی تاریخ جہاں سے یہ گڑیائیں آئی ہیں، ان کے بارے میں جانیں۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کے ملک کے بچّے دنیا بھر کی خوب صورتی اور عظمت سے فیض یاب ہوں۔

ایک دن اپنے مکان کے برآمدے میں اچانک ان کے دل میں خیال آیا کیوں نہ مختلف شہروں میں ان گڑیوں کی نمائش لگائی جائے۔ انھوں نے دنیا بھر کے بچّوں کی بہترین مصوری کے ساتھ ان گڑیوں کی نمائش لگانے کا فیصلہ کیا۔ ایک بار یہ سارا خیال آتے ہی انھوں نے کوئی بھی وقت ضائع نہیں کیا۔ انھوں نے ایک بار بھی رُک کر یہ نہ سوچا کہ اتنی بڑی نمائش کے لیے سرمائے کا انتظام کہاں سے ہوگا۔ ''شنکرس ویکلی'' سے ہونے والی آمدنی سے شروعات میں کچھ انتظام ہو ہی جاتا۔ باقی وقت اور ضرورت آنے پر دیکھا جائے گا۔ ایسا شنکر کا خیال تھا۔ وہ سچے معنوں میں ہر چیز کے روشن پہلو پر یقین رکھتے تھے۔ انھوں نے 1955 میں ایسی پہلی نمائش کا انتظام دلّی میں کیا۔ اس کے لیے ویسٹرن کورٹ کا انتخاب کیا گیا۔ اس نمائش نے لوگوں کا ہجوم اکٹھا کر دیا جس میں بوڑھے اور نوجوان برابر شامل تھے۔ ہجوم کی کسی کمی کے بغیر یہ نمائش مسلسل پندرہ روز تک لگی رہی۔ اندرا گاندھی بھی اسے دیکھنے آئیں۔ شنکر نے ان سے ملاقات کی اور ان گڑیوں کے گھر کے طور پر ایک میوزیم بنانے کے خیالات کا دونوں کے بیچ تبادلہ ہوا۔ یہ خیال شنکر کے دماغ میں کچھ عرصے پہلے ہی آیا تھا۔

رادھے لال 1949 سے شنکر کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ شنکر کے گھر سے نکلنے اور واپس گھر آنے تک ہر کام میں وہ شنکر کے ساتھ سائے کی طرح ہوتے۔ ان کے گہرے خدوخال کا چہرہ خوشیوں سے دمک اٹھتا اگر آپ ان سے کبھی شنکر کی صحبت کے ساتھ ہونے کے بارے میں پوچھ لیتے۔ ایک کمپیوٹر کی طرح جائے واردات اور سال کی تفصیلات وہ باریک بینی سے بیان کرتے۔ 1955 میں اپنی پہلی نمائش کے فوراً بعد جو کہ دلّی میں ہوئی تھی، شنکر اپنی گڑیوں کے ساتھ بمبئی روانہ ہو گئے۔ سارا خاندان ان کے ساتھ چل پڑا۔ نمائش وہاں کے فورٹ علاقے میں جہانگیر آرٹ گیلری میں لگائی گئی جو کہ بے انتہا کامیاب رہی۔ وہاں سے وہ لوگ دادر میں واقع پودار کالج میں منتقل ہو گئے۔ رادھے لال نے تھوڑا سا رُک کر پھر بولنا شروع کر دیا۔ ''صاحب (شنکر) ایسے وقت ہمیشہ بے چین ہو جاتے اور کسی دوسرے

کے کام سے کبھی بھی مطمئن نہ ہوتے۔ وہ سارا کام خود ہی کرنا چاہتے تھے"۔

شنکر نے بڑے فخر سے بمبئی میں لگی اس نمائش کی کامیابی کو یاد کیا۔ "چاہے وہ کوئی بھی وقت ہو نمائش کے دوران پورے پندرہ دن گیلری کے باہر لاکھوں لوگوں کا ہجوم قطار بنائے موجود ہوتا"۔

گڑیاں ان کی زندگی ہوگئیں۔ آج بھی سال کے ہر دن ان کا اپنی ان گڑیوں کو دیکھنا ضروری تھا۔ تمام (سرکاری) چھٹیوں کے دن بھی وہ گھر پر بیٹھنا پسند نہیں کرتے تھے۔

اس ٹیم میں کام کرنے والے سبھی لوگ اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ شنکر کیا چاہتے ہیں۔ تشہیر کے لیے سارے شہر میں اشتہارات چپکانا اور نمائشی بورڈ کو ڈھنگ سے لگوانا ان کا کام تھا۔ انھوں نے اپنے کام کی صلاحیتوں سے شنکر کو کبھی بھی مایوس نہیں کیا۔ شنکر ہمیشہ اپنے مقصد کے ماسٹر ہوا کرتے۔ وہ جب بھی کچھ کرتے بذات خود اس کام کو بہت محنت سے کرتے اور دوسروں سے بھی اسی کی امید رکھتے تھے۔

1957 میں گڑیوں کی اس نمائش کو کلکتہ لے جایا گیا۔ یہ گورنمنٹ کالج آف آرٹ میں لگائی گئی۔ لوگوں کا رویہ حوصلہ افزا تھا۔ انھوں نے بڑے جوش و خروش سے اس کو دیکھا۔

شنکر نے بعد میں ہندوستان کے مختلف شہروں میں اس نمائش کو لگایا۔ جب 1959 میں وہ اسے لے کر تریوندرم گئے تو وہاں کے لوگوں نے ان کا گرم جوشی سے استقبال کیا۔ لوگوں کی بھیڑ نہ صرف گڑیوں کی نمائش کو دیکھنے کے لیے تھی بلکہ اپنی سرزمین کے سپوت شنکر کو بھی دیکھنے کے لیے تھی۔ اس سادہ، نرم اور ہلکے ہلکے سفید بالوں والے آدمی کو دیکھ کر ان کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ وہ ان کے لیے دیوانے ہو رہے تھے۔

1959 میں تریوندرم سے اس نمائش کو مدراس لے جایا گیا۔ وہاں کے ماؤنٹ روڈ پر واقع راجاجی ہال میں نمائش لگائی گئی۔ شنکر کی مدد کے لیے مدراس میں ان کے کئی اچھے دوست موجود تھے۔ وہاں کام کر رہے سارے کارکنوں کو ایک اچھا سبزی والا کھانا فراہم کیا گیا۔ نمائش بہت مقبول ہوئی۔ اس نمائش کے جھنڈے وہاں کے مشہور جیمنی اسٹوڈیو والوں نے بنائے تھے۔ اس طرح کی چلتی پھرتی نمائشوں نے شنکر کے نام کو ہندوستان کے بچّے بچّے کی زبان پر پہنچا دیا۔

سال در سال، دلّی میں مصوری اور مضمون کے بین الاقوامی بھیجنے والوں کی ڈاک کا سیلاب آجاتا۔ 1950 میں تقریباً چھ ہزار لوگوں نے تیرہ ممالک سے اپنی تخلیقات روانہ کیں۔ 1952 میں تقریباً تیرہ سو

شرکت کے خطوط پینتیس ممالک سے آئے۔ان کو عمر کے لحاظ سے چھانٹنے، عمدہ پینٹنگ کو الگ کرنے اور پھر آخر میں ججوں کے سامنے پیش کرنا تاکہ بہترین کا انتخاب ہو سکے، سراسر مشکل ترین اور ایک بڑا کام تھا۔ پینٹنگ بے شمار اور بہترین تھیں۔

1961 میں شرکت کے خطوط کی تعداد ایک دم سے بڑھ کر ستر ہزار کے قریب ہو گئی جو کہ 74 ممالک سے آئے تھے۔ شنکر کو نہ صرف ان خطوط کی تعداد نے بلکہ پہلی بار دنیا بھر کے بچّوں کو اپنے جذبات اور اپنے خیالات کو پینٹنگ کے ذریعے عملی جامہ پہنانے کی کوشش نے متاثر اور خوش کیا۔شنکر کی یہ ایک کامیاب کوشش تھی اور اب حالاں کہ دنیا بھر کے مختلف ممالک اسی طرح کے مقابلوں کا اہتمام کرنے لگے ہیں۔ہندوستان اسی طرح اسی کر و فر سے اس کام میں آگے بڑھتا جارہا ہے۔

شنکر کے بہت قریبی ایک دوسرے صحافی جناب سی. پی. رامچندرن کا خیال تھا کہ ان نمائشوں کو دیکھ کر نہ صرف خوشی ملتی بلکہ ان سے بے پناہ تجربہ بھی حاصل ہوتا۔بچّوں کو اپنے آپ کو ظاہر کرنے میں سچائی اور جتنی صاف گوئی سے وہ اپنی حیرتوں اور جلال کو ظاہر کرتے اپنی خوشیاں اپنے دکھ بالغ سماج کے رسم ورواج سے بے نیاز ہو کر اپنے خیالات کو جس دیانت داری سے ظاہر کر لیتے ہیں اسے کوئی بڑا ادا نہیں کر سکتا اور بچّوں کے اس نظریے کو جاننے کے لیے نہرو ہمیشہ اپنی سیاسی مصروفیتوں سے تھوڑا سا وقت نکال کر ان گیلریوں میں ضرور جاتے جہاں چھوٹے پانچ سال کے بچّوں اور کچھ زیادہ حساس نو بالغوں کی بنائی ہوئی چیزیں ہوتیں۔ انھوں نے شنکر کے ساتھ ان بچّوں کی مصوّری کے ساتھ گزارے ہوئے وقت کا کبھی بھی افسوس نہیں کیا۔

شنکر بار بار اس بات پر زور دیتے کہ بزرگ اور استاد دونوں کو بچّوں کے تعمیری کام کے لیے کبھی بھی دباؤ نہیں ڈالنا چاہیے۔ان کو اپنی فطرت کو ظاہر کرنے کا پورا موقع ملنا چاہیے۔ چاہے وہ پینٹنگ ہو یا لکھنے والا کام۔ وہ دنیا کے جھگڑوں اور فکروں سے آزاد رہتے ہیں۔ وہ کہتے "جب بچّے کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو اس کی سوچ کی وسعت کا کوئی پیمانہ نہیں رہ جاتا۔بچّہ انسانیت کا ایسا روپ ظاہر کر سکتا ہے جس پر سماجی مکاری اور خوب صورت جھوٹ کا کوئی اثر نہ ہو۔ بین الاقوامی مقابلے منظّم کرنے کے پیچھے میرا یہ خیال شامل تھا"۔

دلّی کے بچّوں کے لیے شنکر کا خاص اہتمام ہوتا۔ 1951 سے فوری اعلان کا مصوّری کا پروگرام ہر سال منعقد کیا گیا۔ شروع میں ایسٹرن کورٹ کا لان بچّوں کے رنگارنگ میلہ کے لیے تیار کیا گیا جس میں

ایچ. این. بہوگنا اور سید میر قاسم سے ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے

جناب سدھارتھ شنکر رائے اور مسز پیگی ہولرویئڈ (Peggy Holroyde) کے ساتھ

مسز اندرا گاندھی اور جناب کے. پی. ایس. مینن کے ساتھ

صدر وی. وی. گری
کے ساتھ گزارا یہ لمحہ

پانچ سے سولہ سال تک کے بچے حصہ لیتے۔ یہ مقابلے بعد میں موڈرن اسکول کے لان میں ہونے لگے۔ سیکڑوں کی تعداد میں بچے اپنے کاغذ قلم، برش، پینٹ، پنسل اور بورڈ کے ساتھ شرکت کرتے۔ یہاں صرف مصوری کا ہی مزا نہیں تھا بلکہ بچّوں کے لیے خوشیوں کی ایک جنت ہوا کرتی۔ وہاں اکثر بچّوں میں اَن بن ہو جایا کرتی۔ غصّے میں وہ ایک دوسرے کے کپڑوں اور چہروں پر رنگ پھینک دیا کرتے۔ کچھ بچّے نئے دوست بناتے۔ کچھ اپنے کام کو انہماک سے کر رہے ہوتے اور کچھ دوسروں کے کام کو سراہتے۔ کچھ پانچ سالہ چھوٹے بچّے اپنی پینٹنگ شروع کرنے سے پہلے ہی ماؤں کو پکارنا شروع کر دیتے۔ لیکن شنکر، ان کا خاندان، ان کے دوست اور کام کرنے والی پوری ٹیم ایسے تماشے کی دیکھ بھال بڑے انہماک سے کرتی رہتی تھی۔

یہ مقابلہ ہر سال فروری کے مہینے میں صبح 9 بجے سے ایک بجے کے درمیان ہوتا تھا۔ دلّی اور آس پاس کے مقامات اور غیر ملکی سفیروں کے بچّے اس میں حصہ لیتے۔ شنکر کے ذریعے شروع کیے گئے اور بہت سارے پروجیکٹ کی طرح اس مقابلے نے بھی بہت شہرت اور مقبولیت حاصل کی۔ مقابلے میں حصہ لینے والے بچّوں کی تعداد ہر سال بڑھتی رہی اور 1980 کے دوران یہ تعداد پندرہ ہزار تک پہنچ گئی۔ ماڈرن اسکول کے وسیع لان میں بچّوں کا ایک جم غفیر رنگ برنگے کپڑوں میں دیکھنے کے لائق ہوتا تھا۔ اسی تعداد میں ان کے بڑے بزرگ جو کہ جان بوجھ کر تھوڑے فاصلے پر رکھے جاتے اپنی آوازوں اور اپنی آنکھوں سے اپنے بچّوں کو دیکھتے رہتے جو کہ وہاں اپنے کام میں پوری طرح دلچسپی سے مشغول ہوتے۔ فوٹوگرافر اور ٹی. وی کے عملے کے ممبران چاروں طرف دوڑ دوڑ کر بچّوں کی رنگین دنیا کو اپنے کیمروں میں قید کر رہے ہوتے۔ باہر زبردست بھیڑ کی وجہ سے آمد و رفت میں پریشانی کی وجہ سے پولیس ایک ہنگامی حالات میں گرفتار ہو جاتی اور زور زور سے گاڑیوں کے ہارن بج رہے ہوتے۔ لوگ اکثر اس کو سرزمین پر سب سے بڑا تماشہ قرار دیتے۔

انعام کے لائق کارگزاریوں کو چننے اور چھانٹنے کا کام بین الاقوامی مقابلے کی طرح ہوتا۔ بہترین مصوری کو چنا جاتا اور آل انڈیا فائن آرٹ اور کرافٹ سوسائٹی کی گیلری میں سجا دیا جاتا اور بچّے اپنے دوستوں اور خاندان کے لوگوں کے ساتھ اپنی بہترین کارگزاریوں کو دکھانے آتے۔

شنکر کے زرخیز دماغ سے ایک اور نیا خیال برآمد ہوا۔ کیوں نہ انعام بانٹنے کی ساری کارروائی بچّوں ہی کے سپرد کی جائے۔ آخر کو وہی اس دن کے مہمانِ خصوصی ہوتے ہیں اور اس کے بعد 1962 سے یہ پروگرام بچّے کرنے لگے۔ انعام حاصل کرنے والوں کا یہ بچّے ہی گرم جوشی سے استقبال کرتے، اس

پروگرام کا صدر بھی ان میں سے ایک بچہ ہی ہوتا جو تقریر کرتا اور جیتنے والے کو مبارک باد دیتا۔ شنکر نے زور دیا کہ مہمانِ خصوصی یا تو وزیر اعظم ہوں یا صدر جمہوریہ ہوں۔ بچے اپنے والدین اور سرپرست کے ساتھ ہندوستان کے کونے کونے سے آتے۔ کبھی کبھی غیر ملکوں کے بچے بھی اس میں شامل رہتے اور اپنے انعامات حاصل کرتے اور ایسے بچے جو کہ کسی وجہ سے نہ آسکے ہوں ان کے انعامات ان کے ملکوں کے سفیروں کو دے دیے جاتے۔

ہر سال آٹھ ہزار سے زائد انعامات دیے جاتے۔ اس میں ہندوستانی صدر کی طرف سے بہترین مصوری کے لیے سونے کا تمغہ اور جواہر لال نہرو کی یاد میں 24 سونے کے تمغے ہر عمر کے بچوں کی مصوری اور تحریروں کے لیے ہوتا۔ اس کے علاوہ چاندی کے تمغے اور دوسرے انعامات ہوتے۔ یہ ایک رنگارنگ مقابلہ ہوا کرتا جسے چاچا نہرو نے بہت دل جمعی سے کئی سال دیکھا۔

شنکر یہاں پر رُکے نہیں۔

میتھو ویلیمس (آسٹریلیا) Matthew Williams (Australia)

میں نے ان کو بہت زیادہ گرم جوش اور پُر خلوص شخص پایا۔ ان کے مزاج کی نرمی، خوش آمدید، مسکراہٹ اور دوسروں کے لیے فکر مند ہونے کا انداز بالکل نمایاں تھا جو کہ ہر موقع پر صاف ظاہر ہو جاتا۔ میں نے خاص طور پر بچّوں کے لیے ان کا پیار دیکھا۔ میں نے بذاتِ خود بچّہ ہوتے ہوئے ان کے اندر ایک ایسی شخصیت کو دیکھا جو بچّوں سے واقفیت اور خلوص کی بنیاد پر جڑی ہوئی تھی۔ جس کو ہم سب بچّوں نے محسوس کیا اور کھلے دل سے اس کا استقبال کیا۔ اس شخص میں ایک مقصدی ہمت اور سنجیدگی سے کام کرنے کا حوصلہ تھا ان کی کوشش کو سب نے سراہا جو انھیں جانتا تھا۔ میں حقیقتاً اس شخص سے مل کر بہت خوش ہوا جس کے اندر انسانیت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

11

شنکر نے اپنے تخلیقی خیالات کو اور آگے بڑھنے سے روکا نہیں۔ ان کا دماغ اس کام کے لیے رفتار پکڑنے کی تیاری کر رہا تھا۔ وہ کہا کرتے "محنت سے کام کرنے میں جو سکون میسّر ہے وہ کسی چیز میں نہیں ہے"۔ بیاسی سال سے اوپر کی عمر کو پہنچتے ہوئے ہر آدمی اپنے کام سے آزاد اور سادہ زندگی جیتا ہے اور اپنے بچّوں اور ان کے بچّوں کی روزانہ کی مصروفیت کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ لیکن شنکر ان سب سے الگ ہیں۔ ان کے پاس اب بھی بہت سارے منصوبے تھے۔

جیسے جیسے بچّوں میں شنکر کی دل چسپی بڑھتی جا رہی تھی انھوں نے محسوس کرنا شروع کیا کہ ہندوستان میں بچّوں کے پڑھنے کے لیے کوئی خاص مواد موجود نہیں ہے۔ ہندوستان کے چند پبلشروں کے ذریعے شائع کی گئی بچّوں کی چند کتابوں کے بارے میں شنکر بہت فکر مند تھے۔ ان کا یہ پکّا یقین تھا کہ "بچّے صرف بہترین چیزوں کا حق رکھتے ہیں"۔ انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ "ہندوستان کا تہذیبی ورثہ بچّوں تک پہنچانا ضروری ہے"۔

1954 میں "شنکرس ویکلی" کے ذریعے ہندوستان کی قدیم کہانیوں کے مقابلے کا اعلان کیا۔ لوگوں کا اس مقابلے کے لیے جوابی عمل بہت شاندار رہا۔ پانچ سو سے زائد مسودے انھیں موصول ہوئے۔ ان میں سے انھوں نے چند اچھی کہانیوں کو الگ کر کے بعد میں بچّوں کے لیے کتابی شکل میں شائع کرنے کے لیے رکھ لیا۔

شنکر نے اب سالانہ مقابلہ اور نمائشوں خاص طور پر گڑیا کی نمائشوں اور بچّوں کی کتابیں شائع کرنے کا ارادہ کیا۔ انھوں نے "چلڈرن بک ٹرسٹ" کو رجسٹرڈ کرالیا۔ کناٹ پلیس کی تھیٹر کمیونکیشن بلڈنگ کے بیرک (Barracks) میں ایک مختصر سی جگہ کرائے پر لی۔ یہاں سے وہ بچّوں کے مختلف مشاغل کی رہنمائی کرنے لگے۔ چوں کہ "شنکرس ویکلی" کا آفس یہاں سے بہت قریب تھا وہ روزانہ اپنے دفتر کا بھی ایک چکّر لگالیا کرتے۔

بچّوں کے لیے کچھ نہ کچھ کرنے کا خیال دن بہ دن بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ وہ اکثر چلڈرن بک ٹرسٹ کے بوسیدہ چھوٹے کمروں سے بھی جھلا جایا کرتے ان کی تنظیم کے کاموں کے لیے جگہ کی کمی آڑے آ رہی تھی۔ گڑیوں کی تعداد جو کہ اب 4000 سے زائد ہو گئی تھی، صندوقوں کے اندر اور باہر رکھی تھیں۔ گڑیوں کا کاغذ اور کپڑوں میں لپیٹ کر گڈ مڈ ہو کر بکسوں میں پڑے رہنے کا خیال شنکر کو پریشان کر جاتا۔ ''میں کیوں نہ ان کو گھر دے دوں جہاں بچّے انھیں دیکھ سکیں؟'' وہ سوچتے رہتے۔ اس خیال کا بیج پہلے ہی اندرا گاندھی سے دلّی میں گڑیوں کی نمائش میں ہوئی ملاقات کے دوران ان کے ذہن میں بویا جا چکا تھا۔

وہ دوسرے دن صبح اپنے مرشد اور رہنما پنڈت نہرو سے ملنے گئے جنھیں وہ پیار سے پنڈت جی کہتے تھے۔ شنکر نے اس بات چیت کو یاد کرتے ہوئے کہا ''پنڈت جی میں بچّوں کے لیے اور کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ میں ان کے لیے کتابیں شائع کر سکتا ہوں''۔

پنڈت جی نے کہا ''یہ اچھا خیال ہے۔ تم یہ بتاؤ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟'' شنکر نے کہا ''میں پیسہ چاہتا ہوں''۔ ''اوہ تم پیسہ چاہتے ہو۔ تم کیا سوچ کر پیسہ مانگ رہے ہو''۔

شنکر نے کہا ''میں کوئی تحفہ نہیں چاہتا ہوں، میں صرف ادھار مانگتا ہوں۔ کیا آپ دے سکتے ہیں؟''

''تم پیسوں کا کیا کروگے؟''

''میں ایک عمارت بناؤں گا اور پرنٹنگ پریس قائم کروں گا اور بچّوں کے لیے کتاب چھاپوں گا''۔

پنڈت جی چلّائے ''شنکر بے وقوف مت بنو تم کبھی ایک بیوپاری نہیں بن سکتے''۔

شنکر اڑے رہے۔ انھوں نے پنڈت جی سے یہ کہتے ہوئے کہ پیسے کا وہ خود انتظام کر لیں گے، کھڑے ہو گئے۔ پنڈت جی نے انھیں واپس بلایا اور کہا ''میں سرکار سے تمھیں پیسہ دلانے کی پوری سفارش کروں گا''۔

شنکر نے مسکراتے ہوئے کہا ''شکریہ پنڈت جی''۔

شنکر کو ایک بار پھر اپنے دل کے مطابق کام کرنے کا موقع مل گیا۔ ادھار ملنے کے بعد انھوں نے وزیر داخلہ سے زمین کا ایک ٹکڑا دینے کو کہا۔ شنکر نے فخر سے بتایا ''تیسرے ہی دن مجھے زمین مل گئی اور ہم نے بلڈنگ کی تعمیر شروع کر دی''۔ یہ پلاٹ بہادر شاہ ظفر مارگ پر ملی جو دلّی کی فلیٹ اسٹریٹ کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے دونوں طرف دو اخباروں 'پیٹریٹ' اور 'نیشنل ہیرالڈ' کے دفتر تھے۔

تعمیر کے مرحلے پر نئی نئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ ایسی مشکلات تھیں جن کا شنکر جیسے دور اندیش بھی اندازہ نہیں لگا سکتے تھے۔ اس میں سے ایک مشکل تھی کہ سامان کے دام بے تحاشہ بڑھ جانا اور اس وجہ سے پیسوں کی کمی ہونا لیکن وہ اتنی جلدی ہار ماننے والوں میں سے نہ تھے۔ ان کے خوابوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں یہ معمولی مشکلات کوئی معنی نہیں رکھتی تھیں۔ کبھی کبھی بہت مشکل وقت بھی آیا، وہ شاید ان کی زندگی کا سب سے زیادہ مشکل سال تھا۔ لیکن انھوں نے اپنی امید نہیں چھوڑی۔ انھوں نے مختلف ریاستی حکومتوں سے قرض کی درخواست کی اور چند ایک نے ان کو اچھی رقم عنایت بھی کی۔ دلّی کے کمشنر نے بھی بہت ساتھ دیا اور ان کی مدد کی۔ تین سال کی مدت میں بلڈنگ مکمل ہو گئی اس کے ساتھ ساتھ بچّوں کے سالانہ اہم تقریبات اور مشاغل تھیٹر کیو نکیشن بلڈنگ میں منعقد ہونا شروع ہو گئے۔

شنکر دھیرے دھیرے عمریں پار کرتے جا رہے تھے مگر ان کے حوصلے اب بھی بہت بلند تھے۔ کناٹ پلیس سے کار چلاتے ہوئے وہ بلڈنگ تک آ جاتے اتنی ساری سیڑھیاں چڑھ کر وہ روزانہ دن میں تین بار وہاں کے حالات کا جائزہ لیتے۔

جب کام مکمل ہو گیا تو ٹرسٹ بلڈنگ وہاں کی اسٹریٹ میں موجود ساری بلڈنگوں سے منفرد اور انوکھی تھی۔ یہ دور سے ہی سمجھ میں آ جاتا کہ یہاں کچھ نہ کچھ بچّوں کے لیے ضرور ہے۔ بچّوں کی پینٹنگ کو لمبے پینل کی شکل میں چمکتی ہوئی ٹائلس سے بلڈنگ کا اگلا حصہ بنایا گیا تھا۔ یہ سمجھنا ناممکن سا تھا کہ اس عظیم آدمی نے اتنا بڑا انسٹی ٹیوٹ بالکل تنہا بنا ڈالا، بس ایک شوق اور جذبے کے تحت جو بہت سے حوصلہ مند آدمیوں میں ہوتا ہے۔ یہ انسانیت سے بالا کوشش تھی۔ چھوٹے بچّے یہ سوچتے کہ شنکر اور چلڈرن بک ٹرسٹ دونوں ایک ہی نام ہیں۔ انھوں نے ایک ایک اینٹ کی بنیاد پڑتے دیکھا تھا۔

حالاں کہ شنکر اپنے نظریے اور فکر میں بہت عینیت پسند تھے مگر شنکر ایک خوش شناس، نہایت حقیقت پسند، باعمل، منصوبہ بندی کے تحت کام کرنے والے اور مخلص انسان تھے۔ بچّوں کو اچھی کتابیں پیش کرنے کا خیال انھیں ستا رہا تھا۔ "مگر میں بغیر چھپائی پریس کے بچّوں کو اچھی کتابیں کہاں سے مہیا کر سکتا ہوں؟" انھوں نے اپنے آپ سے یہ سوال کیا۔ اونچے چھپائی کے داموں کی وجہ سے انھیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اسی دوران "شنکرس ویکلی" کو بھی بہت تذبذب اور مشکلات سے گزرنا پڑا۔ وہ ان سب چیزوں سے دوبارہ نہیں گزرنا چاہتے تھے۔ اسی لیے سب سے پہلے شنکر نے بلڈنگ میں تہ خانہ بنایا تا کہ وہ یہاں پرنٹنگ پریس لگا سکیں۔ چھپائی پریس میں استعمال ہونے والی آفسٹ اور لیٹر پریس دونوں مشینوں کو خریدنے کے لیے انھیں قرض مل گیا تھا۔ پریس کا نام انھوں نے اندر پرستھا (Indra prastha) پریس رکھا اور اس

وزیرخارجہ جناب سورن سنگھ کو بچوں کی
کتابیں دکھاتے ہوئے

وزیرداخلہ جناب برہمانند ریڈی کا استقبال کرتے ہوئے

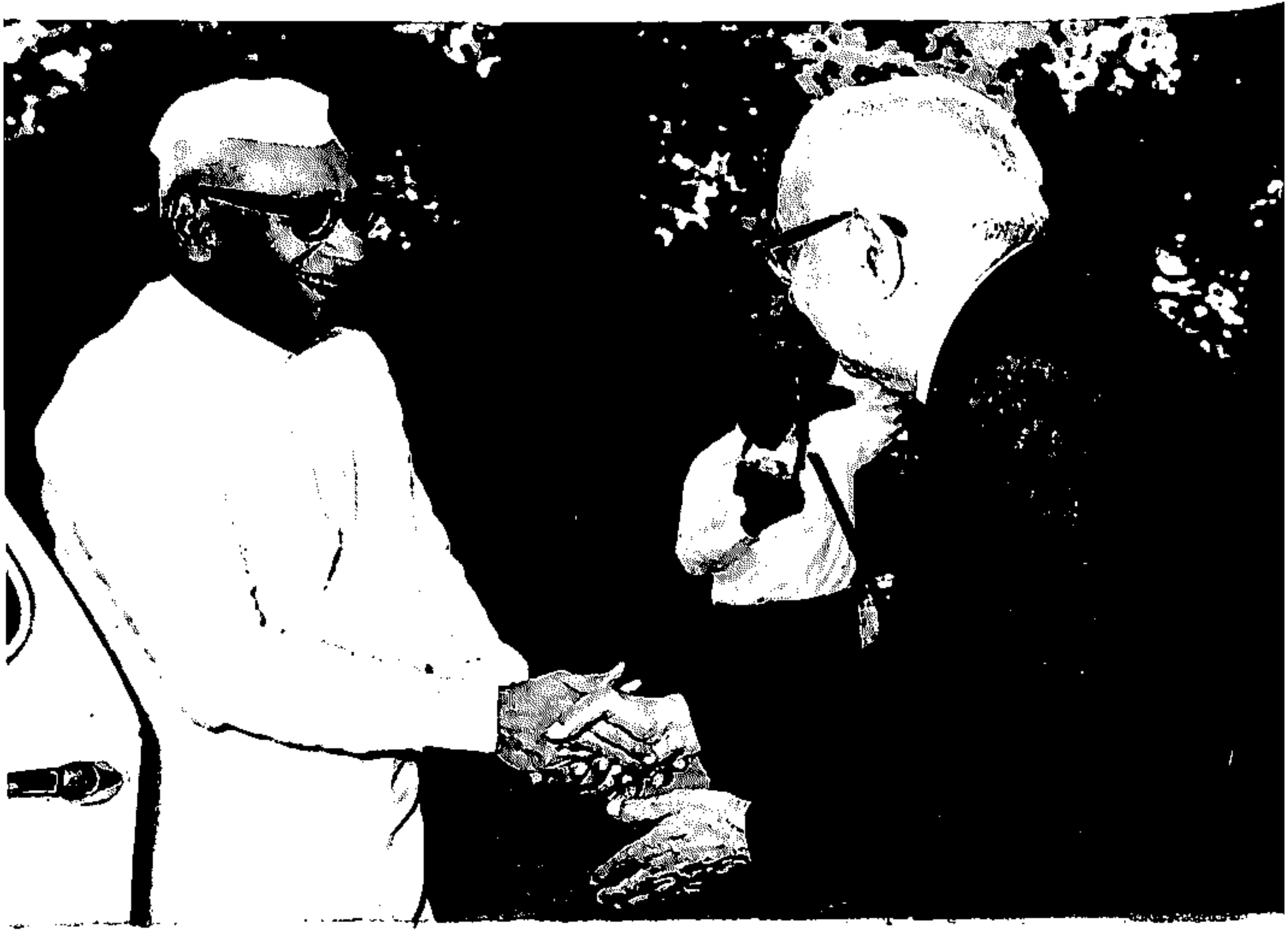

جناب مرارجی دیسائی شنکر سے گڑیا
تحفے میں وصول کرتے ہوئے

1979 میں بچوں کے بین الاقوامی فیسٹول کے دوران مسز اور مسٹر ہدایت اللہ کے ساتھ

پریس نے بہترین چھپائی اور ڈیزائننگ کے لیے ہندوستان اور غیرملکوں میں مختلف انعامات حاصل کیے۔

پوری عمارت میں شنکر کی سب سے زیادہ پسندیدہ جائے پناہ پہلی منزل پر واقع انٹرنیشنل ڈولز میوزیم تھا۔ وہ آپ سے پوچھتے "کیا آپ نے میرا گڑیوں کا میوزیم دیکھا ہے؟" اور اگر آپ کہہ دیں "نہیں" تو بغیر کسی جھجک اور آپ کے جذبات کو ٹھیس پہنچنے کی پرواہ کیے بغیر وہ آپ سے کہہ دیں گے "آپ بالکل بے کار ہیں، آپ نے پھر کیا دیکھا؟ آیئے آیئے میں آپ کو وہاں لے چلتا ہوں"۔ اور وہ آپ کو حیرت انگیز چوڑی سیڑھیوں سے ہوتے ہوئے گڑیوں کی خوب صورت اور رنگین سرزمین پر لے جائیں گے۔ وہ نہ صرف ایک پوشاک پہنے گڑیاں تھیں بلکہ لوگ ہنستے، مسکراتے، کام کرتے اور اپنی دنیا کے بارے میں کہتے نظر آتے جہاں بدی اور بدصورتی کا نام ونشان نہ تھا۔

دنیا کے کسی بھی کونے میں گڑیوں کا اتنا وسیع اور سچا مجموعہ نہ تھا۔ جو گڑیا جس ملک کی تھی اس کے پیچھے اس ملک کے بارے میں دکھایا گیا تھا۔ جاپان کی کابکی ڈانسر، آرکٹک کے اسکیمو، میک سیکو کے ابار جنز (Aborigines)، یوگوسلاویہ کے پیزنٹ (Peasants) اور جی. ڈی. آر کے ہاؤس بلڈرس (G.D.R.K. House- builders) موجود تھے۔ بڑے ہی فن کارانہ انداز میں شیشے کے ڈبوں میں کم عمر اور بوڑھی ہر طرح کی تقریباً چھ ہزار گڑیائیں جو کہ تقریباً سو سے زائد ممالک کی تھیں۔ ہوا مقید عجائب گھر (ایر کنڈیشنڈ میوزیم) میں سجائی گئی تھیں۔ شنکر کا ایک سب سے خوب صورت خواب پورا ہوا تھا۔ گڑیوں کو آخرکار مستقل گھر مل گیا تھا۔

جناب ایچ. وائی. شاردا پرساد جو کہ شنکر کے بہت قریبی دوست اور جاننے والے تھے، بچّوں کو بے شمار اَن گنت خوشیاں دینے والے شنکر سے بے انتہا متاثر ہو کر کہا کہ "جب میں بچّوں کو دیکھتا ہوں اور ان گڑیوں کو دیکھ کر جب ان کی خوشی سے بھری چیخ سنتا ہوں تو مجھے لگتا ہے اس جگہ کسی بھی دربان کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں یہاں میوزیم بند ہونے کے وقت کا اعلان کر کے اس خوشی میں ڈوبے بچّوں کو گھر کیسے بھیج سکتا ہوں"۔

شنکر نے محسوس کیا کہ اس عمارت کا ایک اور بھی خوش گوار گوشہ بچّوں میں بہت مقبول ہوگا اور وہ ہے کتب بینی کمرہ اور لائبریری، جس وقت سے شنکر نے بچّوں کی کتابیں شائع کرنے کا فیصلہ کیا تھا انھوں نے مختلف ممالک کے سفیروں کے یہاں بھی چکّر کاٹنے شروع کر دیے تاکہ وہ لوگ بچّوں سے متعلق اپنے ملکوں کی کتابیں انھیں فراہم کرسکیں۔ شنکر کے یہاں شائع ہونے والی بچّوں کی کتابوں کا معیار بلند

کرنے کے لیے وہ چاہتے تھے کہ وہ دوسرے ممالک کی کتابوں پر بھی غور کریں کہ وہاں بچّوں کی لکھائی، ان کے بیانات، ان کی چھپائی وغیرہ کا معیار کیا ہے۔ بنگال کے پہلے چیف منسٹر جناب بی. سی. رائے جو کہ بچّوں کے اس گھر کے خود بہت بڑے حمایتی تھے، کے نام پر یہاں ایک لائبریری بنائی گئی جسے ڈاکٹر بی. سی. رائے میموریل چلڈرن لائبریری اور ریڈنگ روم کے نام سے جانا جانے لگا۔ پہلی منزل پر ایک بہت بڑی جگہ دی گئی۔ تقریباً گیارہ سو سے زائد مختلف کتابیں جمع کرنے کے علاوہ شنکر چاہتے تھے کہ بچّوں کے لیے یہاں کا ماحول سازگار ہو تاکہ بچّے گھنٹوں لائبریری میں گزارے گئے وقت کا لطف اٹھا سکیں۔ لائبریری کی دیواریں بچّوں کی خوب صورت مصوری سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ ایک چھوٹا سا خوب صورت مچھلی گھر (Aquarium) ایک کونے میں ان کا ساتھ دینے کو کھڑا تھا جس میں بہت ساری رنگ برنگی مچھلیاں تیرتی رہتیں بہت چھوٹے بچّوں کے لیے ایک علاحدہ کونا بنایا گیا تھا جس میں کھلونے اور بے شمار چھوٹے چھوٹے کھیل کے سامان موجود تھے اور دل چسپی بڑھانے کے لیے ہر دوسرے سنیچر کو یہاں بچّوں کی اچھی سی فلم دکھائی جاتی تھی۔ الماریوں میں رکھی کتابوں کی تعداد بڑھتی رہی اس کے ساتھ نئے ممبروں کی تعداد بھی جو بے انتہا جوش میں آجاتے اور انتظار کرتے کہ انھیں کوئی کتاب ہتھیانے کا موقع مل جائے اور پڑھنا شروع کر دیتے۔ شنکر کسی بھی چیز کو نظرانداز کرتے ہوئے کبھی نہیں لگتے۔

شنکر کا بچّوں کا بین الاقوامی مقابلے کا آفس بھی نئی عمارت میں منتقل ہو گیا۔ مقابلہ سالانہ ہی رہا جس میں حصّہ لینے والے منتظمین اور بچّے برابر جوش و خروش سے آتے رہے اور جب ڈاکیہ ہزاروں سیکڑوں شرکت کے مخطوطے لے آتا تو شنکر کی خوشیاں دیکھنے کے لائق ہوتیں۔

شنکر چاہتے تھے کہ ان کے اتنے بڑے اور وسیع ملک کی زندگی اور تہذیب اور کلچر کے بارے میں بچّوں کو ان گڑیوں سے زیادہ سے زیادہ علم حاصل ہو سکے۔ جب وہ ہندوستان کے قدیم روایتی علاقوں سے گڑیاں اکٹھی نہ کر پائے تو انھوں نے گڑیا بنانے کا ورکشاپ شروع کر دیا۔ لباس کی گڑیا (Costume Doll) کا پروڈکشن جو کہ ہندوستانی زندگی کے کلچر کو بڑی تفصیل سے بیان کرتا ہے، شروع کر دیا گیا۔ گڑیوں کے اس میوزیم میں ہندوستانی شعبے میں گڑیوں کو مختلف گروپ میں بانٹ دیا گیا اور انھیں مختلف نام دیا گیا جیسے "برائڈس آف انڈیاں، ڈانسز آف انڈیا، ٹرائبس آف انڈیا، ہر ریاست کے "مرد اور عورتیں" اور بھی بہت ساری چیزیں ہیں جن کو بہت تفصیل اور مہارت سے بنایا گیا تھا اور یہ بنانے والے اسی ورکشاپ کے ماہرین تھے۔

بچّوں کی لکھنے کی صلاحیت کو بڑھانے اور ان کو چیزوں کو بیان کرنے کا طریقہ سکھانے کے لیے انھیں زیادہ کہانیوں کی کتابیں، سائنسی قصہ کہانی، بچّوں کی دل چسپی کے مضامین اور معلوماتِ عامہ فراہم کرنے کے لیے شنکر نے "چلڈرن ورلڈ" کے نام سے ایک میگزین شروع کر دی جس نے نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا بھر کے بچّوں کے بیچ بہت ہی کم عرصے میں بے انتہا مقبولیت حاصل کی۔

آج چلڈرن بک ٹرسٹ ہر جگہ بچّوں کی کتابیں شائع کرنے میں بانی مانا جاتا ہے۔ وہاں بہترین کتابیں ہیں جو پڑھنے میں آسان، آنکھوں کے لیے آرام دہ، بہت سادہ اور رنگین اظہار، خوب صورت نقشہ کشی (Designing) اور چھپائی کے لیے مشہور ہیں ان کا اپنا الگ معیار ہے۔ شنکر کا ان کتابوں کی اشاعت کے پیچھے سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ وہ ہندوستان کے بچّوں کو اپنی تہذیب، اپنے کلچر سے جوڑے رکھیں۔ یہ کتابیں 4 سے 16 سال کی عمر کے بچّوں کے لیے ہیں۔ ان میں ہر طرح کی کتابیں ہیں۔ مذہبی، لوک کہانیاں، تاریخ، سوانح عمری، جانبازوں کی کہانیاں، روایتی داستانیں، عشقیہ، سائنس، فکشن، پُراسرار کتابیں، جانوروں اور چڑیوں کی کتابیں اور تصاویر سے بھری ننھے منّوں کے لیے دل چسپ کتابوں کا خزانہ ہے۔ آج کی تاریخ تک اس ٹرسٹ نے انگریزی میں 160 عنوانات جو کہ سارے ہندی میں ترجمہ ہوئے ہیں اور کچھ کا دیگر ہندوستانی زبانوں میں بھی ترجمہ ہوا ہے، بہت سارے عنوانات کا غیر ملکی زبانوں میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ شنکر نے اس بات پر ہمیشہ زور دیا کہ "بچّوں کو کتابیں ضرور پڑھنی چاہئیں"۔ انھوں نے اچھی کتابیں فراہم کیں اور ان کتابوں سے ہو رہی فروخت اور ان کی طرف توجہ سے انھوں نے اپنے آپ کو صحیح ثابت کر دیا۔

شنکر آج AWIC (ایسوسی ایشن آف رائٹنگ اینڈ السٹریشن فار چلڈرن) کے بانی ہیں۔ یہ ایک پُرجوش لوگوں کا گروپ ہے جس میں زندگی کے ہر شعبے کے تقریباً تین سو لوگ شامل ہیں۔ کچھ اس میں بچّوں کی کتابوں کے نامی مصنف ہیں، کچھ مصنف بننا چاہتے ہیں لیکن سبھی کا ایک سنجیدہ مقصد ہے کہ بچّوں کے لیے بہترین کتابیں فراہم کی جائیں اور ان میں کتابیں پڑھنے کا جذبہ بڑھایا جائے۔

جلدی ہی شنکر نے AWIC چلڈرن لائبریری اسکیم کھولنے کا اعلان کیا۔ شروع میں دلّی کی مختلف جگہوں میں تقریباً دس مرکز بنائے گئے جن کو انھی ممبران کی نگہداشت میں رکھا گیا۔ اس اسکیم کا مقصد زیادہ سے زیادہ بچّوں تک بہت ساری بہترین کتابیں پہنچانا تھا۔ انھوں نے نرم آواز میں کہا کہ "اب یہ سب کام کرنے کے لیے میں بوڑھا ہو گیا ہوں لیکن میں یہ اپنی بند آنکھوں سے دیکھ سکتا ہوں کہ لائبریری اسکیم ہندوستان کے ہر کونے میں مقبولیت حاصل کرے، مجھے آپ لوگوں کی کوششوں پر

فخر ہے۔ میری نیک خواہشات آپ سب کے ساتھ ہیں، اور میری آپ سب سے صرف یہی درخواست ہے کہ اپنی کوشش جاری رکھیں۔ آپ لوگ بچّوں کے لیے جو بھی کر رہے ہیں اس کا کبھی خاتمہ نہیں ہونا چاہیے"۔ یہ ایک عظیم شخص کے عظیم الفاظ تھے۔ یہ اپنے آپ میں اعزاز تھا کہ آپ ان کی سوچ اور ان کے کام میں ان کے ساتھ ہیں۔

اپنے اس مشن کو مکمل کرنے کے لیے انھیں پچاس سال کی کڑی مشقت سے گزرنا پڑا۔ ان کا مشن کامیاب رہا۔ ایک ایسا شخص جس نے زندگی سے کبھی ہار نہیں مانی اس کی لمبی اور صبر آزما محنتوں کا نتیجہ تھا۔

جب میں نے ان سے یہ پوچھا "آپ کو اتنی کامیابی ملنے پر کیسا لگ رہا ہے؟" انھوں نے فوراً جواب دیا "کامیابی یہ آپ کہہ رہے ہیں؟ میرے لیے یہ کوئی کامیابی نہیں کیوں کہ وہ شخص ہی ہمارے بیچ نہ رہا جس کو میرے ساتھ اس کامیابی میں شرکت کرنے میں فخر ہوتا، جو دنیا بھر کی مختلف گڑیوں کو دیکھنے اس میوزیم میں آیا کرتا، ہماری غلطیوں پر ٹوک دیتا اور جب ہمارے اندر مسکراہٹ ہوتی تو اس سے خوش ہو جاتا"۔

شنکر مڑ گئے۔ کیا ان کی آنکھوں میں آنسو تھے؟

انھوں نے جاری رکھا "پھر ہم کیا کریں؟ کیا اس بلڈنگ کو اُن کا نام دے دیں اور ان سے متاثر ہو کر بچّوں کے لیے بہترین چیزیں فراہم کریں؟"۔

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ اس عمارت کو جو کہ اپنے اندر چلڈرن بک ٹرسٹ چھپائے تھی، 'نہرو ہاؤس' کا نام دیا گیا۔ اس شخص کی پیاری اور قابلِ صد احترام یاد میں جو شنکر کی رہنمایانہ روشنی تھے۔

سنیل کروویلا(کنیڈا)Sunil Kuruvilla (Canada)

جناب شنکر اور میرا ساتھ بہت کم عرصے کا مگر بڑا یادگار تھا۔ 1980 میں میں اور میرے خاندان نے ہندوستان کا ایک دورہ کیا۔ اپنی رخصتی سے پہلے مجھے اس بات کا علم ہوا کہ میری لکھی ایک چھوٹی سی کہانی جو میں نے شنکر کے بین الاقوامی چلڈرن مقابلے کے لیے جمع کی تھی، کو انعام کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ میں نئی دلّی اور پھر ''نہرو ہاؤس'' اس کی تفصیلات حاصل کرنے گیا، وہاں میری پہلی بار شنکر سے ملاقات ہوئی اور فوراً اُن کے تئیں میرا نظریہ مثبت نکلا۔ انھوں نے میرے والد، والدہ اور مجھے لے کر پورے ڈال میوزیم کی سیر کرائی اور اس بات پر زور دیا کہ دوپہر کا کھانا ہم ان کے ساتھ کھائیں اس کے باوجود کہ ایسا کرنے سے ان کی دن بھر کی مصروفیات میں بہت اتھل پتھل ہو جاتی، نائب صدر جمہوریہ کا گولڈ میڈل حاصل کرنے کے لیے میں بعد میں اسی سال پھر دلّی گیا۔ مجھے خوب صورت فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہرایا گیا۔ ہماری روزانہ کی مصروفیات میں نگراں سمیت سیر اور بہترین کھانے ہوا کرتے تھے۔ شنکر اپنی ساری کارروائیوں کو پلان کرتے اور سارا وقت ہمارے ساتھ گزارتے ان ملاقاتوں میں وہ ہمیشہ گرم جوشی، دوستانہ اور خاکساری مزاج سے ملتے۔ چلڈرن بک فیسٹول کا سالانہ اور شاندار جلسہ اس بات کا ثبوت تھا کہ شنکر اپنے اندر بچوں کا سا دل رکھتے ہیں۔ جس طرح کوئی بادشاہ اپنی ریاست کا خیال رکھتا تھا اسی طرح شنکر نے بھی اپنی زندگی کو ''ڈال میوزیم'' کے لیے وقف کر دیا تھا۔ ان کی ساری حرکتیں خوشیاں لاتیں چاہے وہ کسی لطیفے پر دل کھول کر ہنس رہے ہوں یا اپنے فیسٹول میں فخر سے سر بلند کر کے چل رہے ہوں۔ میرے والد نے شنکر کا بحیثیت ایک شائستہ صحافی اور اچھے کارٹونسٹ مجھ سے تعارف کرایا تھا مگر میں اس معاملے میں خوش قسمت تھا کہ مجھے اس شخص کی پُر خلوص ذاتی زندگی کو جاننے کا موقع ملا۔ ساری چیزوں کا لبِ لباب یہ ہے کہ شنکر بوڑھے اور نوجوان دونوں کے برابر کے پرستار تھے۔

12

کسی کا یہ سوچنا کہ "نہرو ہاؤس" کی تکمیل اور بچّوں کے لیے ان کے مختلف منصوبوں کا پورا ہونا اب شنکر کو چین سے بیٹھنے دے گا، غلط تھا۔ حالاں کہ شنکر اب جسمانی طور پر پُرسکون ہو سکتے تھے جب کہ ساری بھاگ دوڑ تقریباً مکمل ہو چکی تھی مگر ذہنی طور پر انھوں نے اپنے آپ کو بالکل موقع نہیں دیا۔

انھوں نے چلڈرن بک ٹرسٹ کے بچّوں کے لیے بہترین کتابیں فراہم کرنے کا خاص مرکز پایا۔ ان کا نظریہ تھا کہ "اگر ہمارے بچّوں کو سخت مقابلے کے زمانے میں مشکلات دور کر کے آگے نکلنا ہے تو بہترین اور اچھی کتابیں ضروریات میں شامل ہوں، بچوں کو صرف بہترین کی ضرورت ہوتی ہے"۔ انھوں نے اس بات پر بار بار زور دیا کہ یہ ایک دل چسپ موضوع تھا کہ شنکر نے بچّوں کے لیے کہانیاں کس طرح لکھنی شروع کیں۔

"میرے پاس پبلشنگ ہاؤس تھا مگر اچھے مسودات جس معیار کی میں نے امیّد کی تھی نہیں موجود تھے۔ اس لیے میں نے بذاتِ خود لکھنا شروع کر دیا"۔ انھوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ حادثاتی طور پر آئے شنکر کے اس موڑ نے ہزاروں بچّوں کی کتابوں کی الماریوں کو مالا مال کر دیا۔ شنکر اس وقت تقریباً بچّوں کی 50 کتابوں کے مصنّف ہیں اور چار سے زیادہ کتابوں میں تصویریں بھی ان ہی کی بنائی ہوئی تھیں۔ ان کی چند مقبول کتابوں میں سے "لائف ود گرانڈ فادر" (Life with Grandfather) "مہاگری" (Mahagiri) "مدر از مدر" (Mother is Mother) اور ہری اینڈ اَدر ایلیفنٹ (Hari and Other Elephants) تھیں۔ اس کے علاوہ "ٹیلس فروم انڈین کلاسکس"۔ 3 جلدیں (Tales from Indian classics -3 vol.) "ٹریزری آف انڈین ٹیلس"۔ 2 جلدیں (Treasury of Indian Tales - 2 vol.) "اسٹوریز فردم پنچ تنتر۔ 4 جلدیں (Stories from Panchatantra- 4 vol) بچوں کے لیے ایک تحفہ تھا۔

جس طرح دل جمعی سے وہ اپنے ویکلی کے لیے کارٹون بنایا کرتے اتنی ہی لگن سے انھوں نے بچّوں کے لیے لکھنا بھی شروع کر دیا تھا۔ ایک بار انھوں نے آسان لفظوں میں لکھنا شروع کر دیا تو ان کو روکنے والا کوئی بھی نہ تھا۔ ایک بار انھوں نے رائٹر ورک شاپ کے ممبران جو کہ ان کے ساتھی مصنّف تھے، ان سے کہا کہ "اس دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جسے آپ کر نہ سکیں۔ تم جو کچھ بھی کرو اس کو دلچسپی

جناب اٹل بہاری واجپائی کے ساتھ

وزیر جناب وائی. بی. چوہان کے ساتھ

محترمہ کملا دیوی چٹوپادھیائے کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے

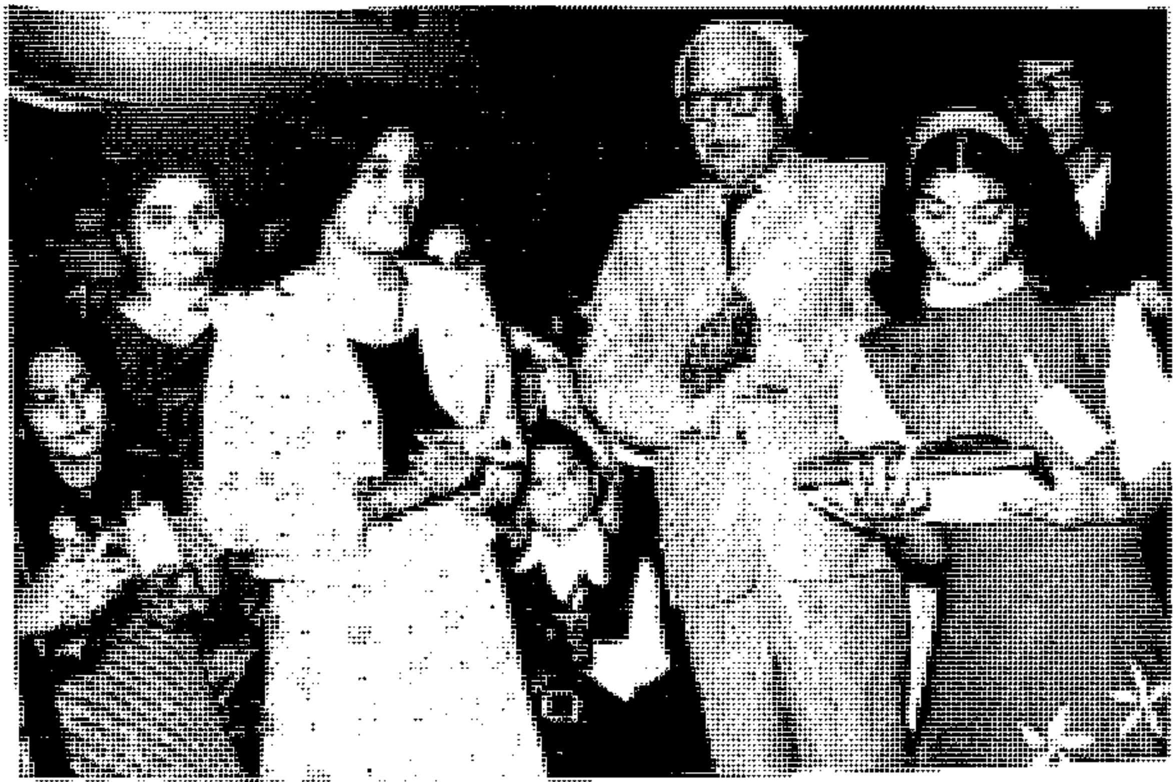

بچّوں کے ساتھ ایک خوش گوار لمحے میں شریک ہوتے ہوئے

بچّوں کے سالانہ فیسٹول میں ہونے والی کارگزاری کی پوری تیاری

سے کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ سب لوگ دل چسپی لیں، اسی طریقے سے آپ لوگ کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ آپ لکھتے جائیں، بار بار کوشش کریں، میں لکھنا اور کوشش کرنا چاہتا تھا۔ میں یہ نہیں جانتا تھا کہ میں مصنّف بننے کے لائق ہوں یا نہیں"۔ انھوں نے خاکساری سے جوڑا "تم سو بار ناکام ہو سکتے ہو مگر ایک سو ایکویں بار تم کامیاب بھی ہو سکتے ہو۔ سب سے اہم کوشش تمھاری دلچسپی ہونی چاہیے۔ تم جو کچھ بھی کرو اس میں تمھارا جذباتی دخل ہونا چاہیے"۔ ایک نوجوان مصنّف اس بات کو جاننا چاہتے تھے کہ ہندوستان کے قومی لیڈروں اور بڑے بڑے سیاست دانوں کا بہت زیادہ ساتھ ہونے کے بعد بھی شنکر سیاست سے جڑنے کے بجائے بچّوں سے کیوں منسلک ہو گئے۔ شنکر کے پاس اس کا جواب فوراً موجود تھا 'سیاست محض وقت کی بربادی اور گندی شے ہے، ہندوستان کا مستقبل بچّے ہیں اور ہم کو ایمان داری سے ان کو بہترین چیزیں مہیا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہمارے کیرالا میں ایک کہاوت ہے "کھاد کو درخت کے اوپر کبھی مت ڈالو بلکہ اسے بنیاد میں ڈالو"۔ اس نوجوان کے چہرے پر اس بات کا پختہ ارادہ تھا کہ وہ اب بچوں کے اوپر بھی لکھیں گے۔

ایک اور محتاط مصنّف نے شنکر سے دریافت کیا "بچّے کیا چاہتے ہیں اس کے آپ بہترین جج ہیں، آپ کی نظر میں ایسا کوئی خاص مواد موجود ہے جسے آپ سمجھتے ہیں کہ بچّوں کے لیے لکھنا مناسب ہوگا؟"

"نہیں نہیں" انھوں نے کہا۔ "بچّوں کا ذہن ایک وسیع سمندر کی طرح ہوتا ہے وہ جو کچھ بھی پڑھتے ہیں اس میں دلچسپی لیتے ہیں۔ یہ ایک طریقہ ہے کہ بچّوں کے لیے جو اہم ہے وہ آپ لکھ رہے ہیں۔ چند مصنّف جو میرے قریب آئے انھوں نے لکھنے کے لیے مجھ سے مسودہ مانگا لیکن یہ آپ کو طے کرنا ہوگا کہ آپ بچّوں کے لیے کیا لکھنا چاہتے ہیں"۔

شنکر نے بذاتِ خود صرف آدھے گھنٹے کے وقفے میں کتاب لکھی۔ ساتھ ہی ساتھ انھوں نے حامی بھری کہ "کبھی کبھی کہانی کا خاکہ میرے دماغ میں گھومتا رہتا ہے اور میں سو نہیں پاتا۔ لیکن جب بھی میرے ذہن میں خیال آجاتا ہے چاہے وہ دن کا کوئی بھی پہر ہو میں اسی وقت لکھنا شروع کر دیتا۔ ہو سکتا ہے اگلے دن یہ خیال میری دلچسپی کو کم کر دے اور میں اس خیال کو پرے رکھ دوں۔ میرے پاس اکثر چار پانچ نامکمل مسودے ہوتے"۔ انھوں نے ہنستے ہوئے کہا۔ کبھی کبھی سال کے آخر میں میرے اندر ان کو مکمل کرنے کا جذبہ جاگ اٹھتا، لیکن اس کہانی کا خاکہ بالکل مختلف ہوتا جو میں نے شروع میں سوچ رکھا تھا"۔

شنکر جیسے شخص کو خوش کرنا بہت مشکل کام ہے۔ ان کو متاثر کرنے کے لیے بہت محنت کرنی پڑتی۔ آخر میں وہ کہتے "یہ بُرا نہیں ہے!" وہ کبھی بھی یہ نہیں کہہ پاتے کہ "یہ اچھا ہے"۔ لیکن وہ اپنے کام کی بھی شاید ہی کبھی تعریف کیا کرتے تھے۔ جب وہ کتاب لکھتے تو ہر جملے کو اس وقت تک بار بار لکھتے رہتے

جب تک وہ اس بات سے مطمئن نہ ہو جاتے کہ بچہ اس بات کو آسانی سے سمجھ لے گا۔

شنکر کی سب سے مقبول کتاب "دادا جی کے ساتھ زندگی" (Life with Grand father) ہے۔ اس میں انھوں نے اپنے بچپن کے مزاح اور بہادری کے واقعات قلم بند کیے ہیں۔ اس کو پڑھنے والے شنکر کو کیرالا کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ان کے بچپن کے دوستوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے محسوس کر لیتے۔ یہ کتاب اپنے چھوٹے، مختصر اور سیدھے جملوں سے پڑھنے والوں کو باندھے رکھتی ہے۔ اس کار جان کارٹون جیسا تھا۔ ان کرداروں کے تاثرات اس قدر جیتے جاگتے تھے کہ پڑھنے والا فوراً جان جاتا کہ کس کا ذکر کیا جارہا ہے۔ کیرالا کے گاؤں کی زندگی کو بھی بخوبی پیش کیا گیا ہے۔ کتاب کے ہیرو ننھے راجہ کو بھلا پانا مشکل کام ہے۔ ایک بار پڑھ لینے کے بعد لوگ اسے بار بار پڑھ کر زیرِ لب مسکراہٹ کے ساتھ محظوظ ہوتے رہتے ہیں۔

اس سے پہلے انھوں نے ایک اور باتصویر کتاب لکھی تھی جس کا نام "سجاتا اور جنگلی ہاتھی" ہے۔ 1965 میں شائع ہوئی تھی۔ شنکر نے ان دنوں کو یاد کرتے ہوئے بتایا کہ کیسے انھوں نے اس کتاب کو لکھا اور اس کی تصاویر بنائیں۔ پنڈت نہرو نے اس کتاب کے پیش لفظ میں کہا کہ "ہمیں جانوروں میں انسانی خوبیوں کو سمجھنا چاہیے"۔ اس بیان نے مجھ پر گہرا اثر ڈالا اور میں لگاتار اس بارے میں سوچتا ہوں کہ میں ان خیالات کو بچوں تک کیسے پہنچاؤں۔ اس لیے میں نے جانوروں کے بارے میں ایک کہانی لکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ایک بار فیصلہ کرنے کے بعد مجھے زیادہ وقت نہیں لگا"۔ وہ اس کہانی کو پنڈت جی کے پاس لے گئے اور اس کہانی کو پڑھنے والے وہ پہلے شخص تھے۔ شنکر ان کے تاثرات جاننے کے لیے بے چین تھے۔ جلد ہی پنڈت جی نے انھیں اپنے دفتر میں بلایا اور انھیں ایک ٹک دیکھتے رہنے کے بعد کہا "میں تم سے ایک وعدہ چاہتا ہوں کہ اس کتاب کی تصاویر تم خود ہی بناؤ گے"۔ شنکر نے مسکراتے ہوئے کہا "اس طرح 'سجاتا اور جنگلی ہاتھی' شائع ہوئی"۔

یہ پوچھے جانے پر کہ ان کی لکھی سب سے اچھی کتاب کون سی ہے، شنکر نے جواب دیا کہ مجھے مطمئن کرنے کے لیے کچھ بھی بہترین نہیں ہے۔ میں ابھی بھی لکھ رہا ہوں لیکن ذاتی طور پر مجھے "ہری اور دوسرے ہاتھی" پسند ہے۔ سمجھنا تو دور کی بات ہے، بہت کم لوگ اس جانور کی انسانی فطری خوبیوں کے بارے میں جانتے ہیں۔ اس کتاب کو لکھتے وقت میں جذباتی ہو گیا تھا۔ میں نے ہاتھیوں کے بارے میں سو سے زیادہ کہانیوں والی ایک ملیالی کتاب کا مطالعہ کیا، ان میں سے چھ کہانیوں پر یہ کہانی مبنی ہے۔ اس میں بہت لمبا وقفہ لگا لیکن میری محنت رنگ لائی۔

ایک بار جب شنکر پر لکھنے کی کیفیت طاری ہو جاتی تو وہ کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے۔ وہ محنت اور تندہی سے لکھنا شروع کر دیتے۔ ان کی بہت ساری کتابوں کا موضوع یا خیال ہندوستانی لوک کہانیوں اور کلاسیکل

کہانیوں پر مبنی ہوتا۔ "ہماری سرزمین مختلف تہذیبی اور ثقافتی ورثہ سے مالا مال ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہمارے بچے اپنے لوگوں کو اپنی روایتوں اور کرداروں کو اچھی طرح جانیں"۔ شنکر نے جذباتی ہو کر کہا۔

شنکر کی یہ عظیم سوچ نہ صرف ان کی نصابی کتابوں کے ذریعے بلکہ بے حد سادہ زندگی سے بھرپور، رنگین اور دل چسپ کہانیوں کی کتابوں کی شکل میں بھی ظاہر تھیں۔ ان کے کردار، ہیرو، دیوی اور دیوتاؤں کا جھرمٹ پیش کرتے۔ شنکر نے کہا ان سیدھی سادی کہانیوں میں اچھے کردار والے لوگوں کو انعام دیا جاتا اور بُرے لوگوں کو ان کی بُرائیوں کے لیے سزا دی جاتی۔ زیادہ تر کردار جانور، چڑیاں اور چھوٹے بچے ہوا کرتے۔ حالاں کہ شنکر نے اپنی صرف چار کتابوں کی تصاویر بنائی تھیں لیکن انھوں نے نہ صرف اپنی لکھی ہوئی ساری کتابوں کی نگرانی کی بلکہ چلڈرن بک ٹرسٹ سے شائع ساری کتابوں پر کڑی نظر رکھی۔ وہ کتاب کو بنانے میں شروع سے آخر تک شامل رہتے اور ان کا معیار بالکل صحیح اور نپا تلا ہوتا۔ فن کاروں کی بنائی گئی تصاویر سے جب تک وہ پوری طرح مطمئن نہیں ہو جاتے اسے پاس نہیں کرتے۔ کئی بار فن کار کو اتنی زیادہ تعداد میں ایک ہی تصویر بنانی پڑتی کہ وہ پریشان ہو کر حوصلہ چھوڑ دیتے۔ لیکن پھر شنکر ان کی رہنمائی کرتے ہوئے ان سے کہتے "جب تم اپنا فائنل نتیجہ دیکھو گے تو تمھیں انعام اور تسکین ملے گی"۔ اگر ان کو کوئی تصویر پسند نہیں آتی تو وہ اس کو درست کرنے کے لیے چھونے بھی نہ دیتے۔ وہ اس کو نئے طریقے سے بناتے، بہت سارے فن کاروں کے نظریے اور انداز کو شنکر نے 'بالکل درست' پر زور دے کر جس میں کسی طرح کا سمجھوتہ نہیں ہو سکتا تھا، سنوارا اور نکھارا تھا۔

تقریباً بیس سال سے زائد وقفہ گزرنے کے بعد بھی شنکر چلڈرن بک ٹرسٹ کے معاملات کی سربراہی کر رہے ہیں۔ وہ اب بھی بچوں کے لیے بہت ساری کتابیں لکھ رہے ہیں اور اپنے مطالعے سے بے شمار خیالات ان کے ذہن میں آتے رہے ہیں۔ نہرو ہاؤس کی پہلی منزل کی لمبی راہداری کے آخر میں ان کے دارالمطالعہ کا وسیع کمرہ ان کے تمام تر مزاج کے ساتھ ان کے کردار کو ظاہر کرتا جس میں آرائش کی تخلیق، جگہ کی سجاوٹ میں خوب صورت اشیا کا استعمال کیا گیا ہے مگر پھر بھی وہ کمرہ بہت منظم اور عملی ہے۔ اس کمرے نے شنکر کو ان کے ہر موڈ میں دیکھا ہے۔ مصنفوں، تصاویر بنانے والوں، اعلا افسروں اور نیک خواہشات رکھنے والوں سے ملتے وقت ان کی خوشیوں کو کسی بھی پروجیکٹ کا خاکہ جب ان کے ذہن میں ہوتا اس وقت ان کے اندر نمایاں جوش و خروش کو، اپنے عزیز اور دوست کے گزر جانے پر غم زدہ ہونے پر، بھروسہ کیے جانے والے سے دھوکہ کھانے پر، "شنکر ویکلی" کے کارٹون بنانے والے سرگرم دنوں کا یا بچوں کی کتابوں کا مسودہ لکھنے پر اور ان کے بہت پُرسکون دنوں کو جب وہ اپنی آرام کرسی کی پشت پر سر ٹکائے مستقبل کے لیے کوئی سنسنی خیز چیزوں کو سوچ رہے ہوتے۔

فونگ مئی لی(ملیشیا)(Fong Mei Li (Malaysia)

میں نے سب سے پہلے ان کو جن پتھ ہوٹل کی برساتی میں دیکھا تھا۔ وہ بذاتِ خود ہمیں مدعو کرنے آئے تھے کہ ہم چل کر کتابوں کا میلہ' دیکھیں جہاں شنکرس انٹرنیشنل چلڈرن آرٹ کی نمائش لگی تھی اور ہم لوگ وہاں اپنے گولڈ میڈل لینے جا رہے تھے۔ میری عمر اس وقت محض چودہ سال کی تھی۔

انھوں نے اپنی اعلاظرفی اور مرتبہ سے متاثر کردیا۔ اس وقت برساتی میں موجود ہم سب سے انھوں نے نرمی سے گفتگو کی اور ہم سب کو پُرسکون کردیا۔ 15 نومبر 1979 کو دلّی میں دنیا کے ہر کونے سے آئے ہوئے بچے شنکر اور آرٹ کے میدان میں اُن کی دلچسپی اور فیاضی سے متاثر تھے۔

13

شنکر اس سال 83 سال کے ہو جائیں گے۔ انھوں نے بغیر کسی پچھتاوے کے اپنی بھرپور زندگی گزاری ہے۔ بچپن کی شروعات کے بے چین اور خوابوں سے بھرے دنوں سے لے کر ہائی اسکول اور کالج تک کی پُر جوش سرگرمیوں کے دن جو کہ بعد میں چل کر مصروف اور مختلف پیشوں سے بھرپور تھے، شنکر کے پاس دوستوں کی کوئی کمی نہ تھی بلکہ وہ لوگوں کا ساتھ پسند کرتے تھے۔ بچپن سے ہی ان میں اپنی چیزوں کو دوستوں کے ساتھ بانٹنے کی خوبی تھی یہاں تک کہ اپنی خوشیاں بھی۔ اپنی کامیابی کا جشن وہ اکثر اپنے دوستوں، ساتھیوں، رشتہ داروں اور عزیزوں کو اپنے گھر جمع کر کے منایا کرتے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کے ارد گرد موجود تمام لوگ ان کی خوشیوں میں شامل ہوں۔

ان کی کامیابی کا جشن ہمیشہ بہت سارے کھانے اور پینے کی چیزوں کے ساتھ منایا جاتا جس میں خاص طور سے ملیالی کھانوں کا اہتمام کیا جاتا جو بقول شنکر "دنیا کے بہترین کھانوں میں سے ایک ہے"۔

کالج کے زمانے میں جشن منانے کا مطلب ان کے نزدیک اپنی پوری ٹولی کے ساتھ کالج کی کینٹین پر حملہ بولنا یا اگر پیسوں کی فراوانی ہو تو کسی اچھے ہوٹل میں فراخ دلی سے ان کی میزبانی کر دینا تھا۔ کچھ حاسد لوگ ان کی اس فضول خرچی کی ان کے دادا سے شکایت کر دیتے جس کے جواب میں دادا جی ایک قہقہہ لگا کر زمین سے دو فٹ اونچائی ناپ کر کہتے۔ "شنکر جب سے اتنا بڑا ہوا وہ ہمیشہ ایسا ہی تھا"۔

ان کی شادی کے بعد اب ان کی بیوی کی میزبانی کرنے کی باری تھی۔ کبھی کبھی ایک مختصر وقفے میں ہی وہ پوری فوج کے کھانے پینے کا اہتمام کر دیتیں۔ لیکن شنکر کو ان پر بڑا اعتماد تھا کہ وہ سارا کام نہایت چستی اور پھرتی سے نپٹا دیں گی اور وقت کی کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اپنے خاموش اور پُر سکون مزاج کے ساتھ سارے انتظامات کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اپنے رشتہ داروں اور دوستوں میں وہ بہت پسند کی جاتی تھیں۔ تازہ سبزیاں لانے، ان کو خاص انداز میں کاٹنے، خانساماں اور گھریلو ملازمہ کو ان کے کام سونپنے سے لے کر مٹھائیاں بنانے، مشروبات کا انتظام کرنے اور کرسیوں کو ترتیب دینے کا بھی کام کرتیں۔ یہ تمام تھکا دینے والی مصروفیات پانچ بجے علی الصبح شروع ہو جاتیں اور ان میں روز مرّہ کے کام بھی شامل ہوتے۔ جیسے بچّوں کو اسکول کے لیے تیار کرنا، ان کا ناشتہ بنانا اور ان کو اسکول

بھیجنا۔ اکثر ان کی عزیز خواتین دوست ان کے یہاں لذیذ دعوت کا لطف اٹھاتے ہوئے ان کی سرزنش کرتیں کہ "شنکر، تم ایک پتھر دل انسان ہو۔ تم یہ کیسے امید کرتے ہو کہ تمہاری بیوی پورے دن کام کرتی رہے؟ وہ یقیناً بہت تھک جاتی ہوگی"۔

"اوہ، نہیں۔ وہ بہت ٹھیک ہے"۔ شنکر اپنی بیوی کی طرف ایک ستائشی نگاہ ڈالتے ہوئے یہ جواب دیتے کہ "اوہ، نہیں۔ وہ بہت ٹھیک ہے"۔ وہ بذاتِ خود میزبانی کے فرائض انجام دیتے ہوئے کہتے کہ "میں نے گھر پر رُک کر ان کو اپنی مدد دینے کی پیش کش کی تھی مگر انھوں نے میری خدمات لینے سے انکار کر دیا۔ چلیے چلیے، آپ لوگ کچھ اور کھائیں"۔

ایک بار بہت بڑے سوویت صحافیوں کے گروپ جس میں ہندوستانی دورے پر آئے مارشل بلگینین (Marshal Bulganin) اور جناب خروشیف (Mr. Khrushchev) بھی شامل تھے، کو ایک شاندار رات کے کھانے پر بلایا تھا جس میں کھانا ان کے بابر لین والے مکان میں گھر پر ہی ملیالی انداز میں بنایا گیا تھا۔ ان کی تواضع کرتے ہوئے شنکر بالکل حواس باختہ ہو گئے۔ شنکر کی یہ گھبراہٹ سوویت یونین کی اس میزبانی کا نتیجہ تھی جس میں وہ پنڈت جواہر لال نہرو اور جناب چلاپتی راؤ کے ساتھ سوویت یونین کے تاریخی دورے پر گئے تھے۔

اس شاندار موقع کی تیاری کچھ دن پہلے سے ہی شروع ہو گئی تھی۔ کھانے کی بہت ساری چیزیں انھوں نے خاص طور سے تریوندرم سے منگوائیں اور بقیہ چیزوں کا اہتمام ہمیشہ کی طرح ان کی پُر سکون بیوی کی نگرانی میں ہوا اور ظاہر ہے کھانا ہمیشہ کی طرح بہترین تھا۔

اس شاندار موقع کو اور زیادہ حسین بنانے کے لیے شنکر نے اپنے مہمانوں کے لیے ایک کلچرل پروگرام منعقد کیا۔ اس کے لیے دلّی میں 1951 میں ہوئے تھیٹر فیسٹول میں انعام پانے والے بچّوں کے ذریعے مختلف طرح کے ساتھ آئیٹم پیش کیے۔ گھر کے پچھلے حصّے میں واقع اونچے سے چبوترے کو اسٹیج کی شکل دے دی گئی اور کرسیوں کو پھر سے ترتیب سے رکھا گیا۔ یہ غیر ملکی مہمان شنکر کے گھر میں بتائے گئے اس یادگار شام کو ہمیشہ یاد رکھیں گے۔

انھیں سب سے زیادہ خوشی اپنے مہمانوں کو کھاتے اور اچھی طرح کھاتے دیکھ کر ہوتی۔ جیسے جیسے بین الاقوامی مقابلوں کی مقبولیت بڑھتی گئی ان کے تعلقات بھی بڑھے اور ان کی مہمان نوازیاں بھی بڑھنے لگیں۔ جب بھی کسی سفر سے انھیں اپنے "ڈول ہاؤس" کے لیے کوئی گڑیا ملتی وہ اس کے نتیجے میں اپنی خوشیاں ظاہر کرنے کے لیے وہ شاندار ڈنر پارٹی کا اہتمام کر ڈالتے جس میں وہ سفیر، سیاست داں اور

"ڈال ورک شاپ" میں بنائی گئی ایک گڑیا دکھاتے ہوئے "آپ کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

ان کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی۔ سب کو کھانا کھلانا۔ جوان اور بوڑھے

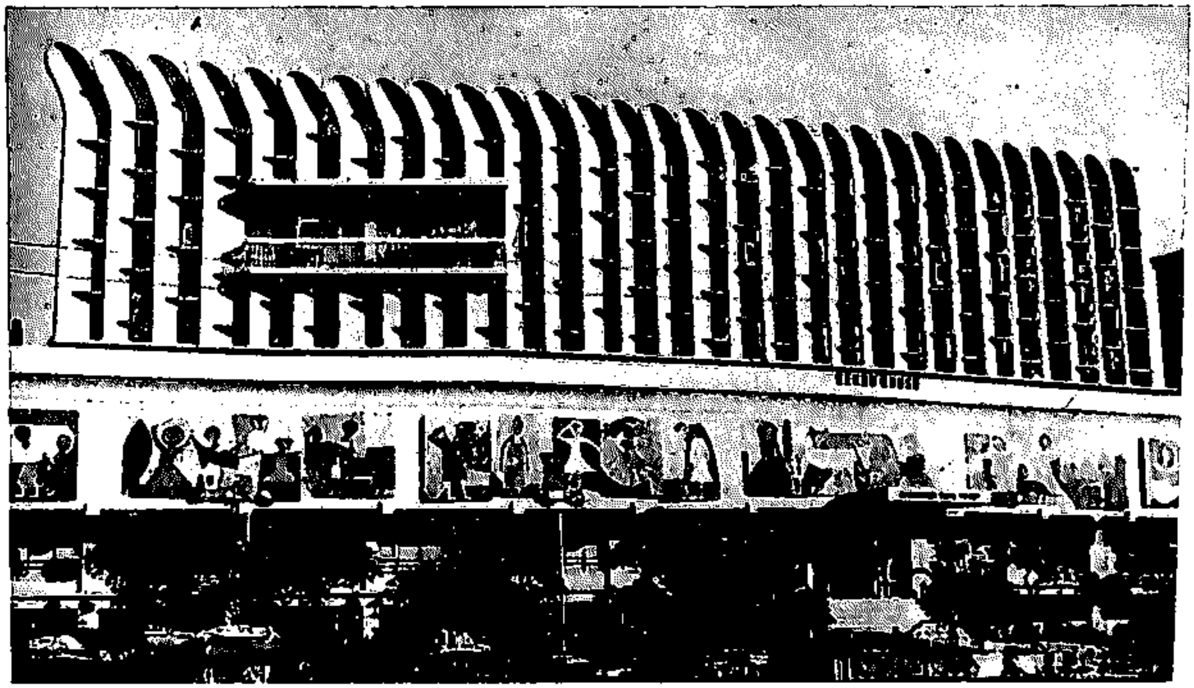

"نہرو ہاؤس" کا ایک منظر۔ چلڈرن بک ٹرسٹ کا گھر

ڈاکٹر بی. سی. رائے میموریل چلڈرن لائبریری

صحافی مدعو ہوتے۔ وہ سب بعد میں ان کے ذاتی دوست بن جاتے اور اپنی بساط بھر بچّوں کے لیے کیے گئے کام میں شنکر کی مدد کرتے۔ اکثر اوقات وہ اپنا سیاسی مرتبہ بھول کر شنکر کے گھر آرام کرنے آجاتے۔ وہ سارے ان کے ویکلی کے پرستار تھے۔ جب شنکر اپنے کارٹون سے جڑی کوئی کہانی سناتے تو وہ سارے اس سے محظوظ ہوتے۔

یہاں ایک اور واقعے کا ذکر ہے جو شنکر نے مجھے سنایا۔ سروجنی نائیڈو جو 'اکّا' (Akka) کے نام سے مشہور تھیں، ان کے گھر کبھی کبھار رات کے کھانے پر آجاتیں۔ ملیالی کھانا ان کی کمزوری تھا۔ ایک بار شنکر نے اکّا کے ساتھ اندرا گاندھی اور دوسری خواتین کو اپنے گھر مدعو کیا۔ وہ ان کے لیے رات کے آٹھ بجے تک انتظار کرتے رہے۔ جب 9 بج گئے اور وہ سب نہیں آئیں تو انھوں نے تین مورتی ہاؤس فون کیا۔ ان کو بتایا گیا کہ وہ لوگ ابھی ابھی نکلی ہیں۔ اس لیے وہ باہر گئے اور ان کی آمد کے منتظر ہو گئے۔ اور انھوں نے دیکھا کہ "خواتین پنڈت جی کی رہنمائی میں اندر آرہی تھیں"۔

سب سے پہلے پنڈت جی نے شنکر کی خود کو نہ مدعو کرنے پر سرزنش کی اور پھر کھسیاتے ہوئے کہا کہ بن بلائے مہمان ہیں! اور انھوں نے دل بھر کے کھانا کھایا۔ اکّا نے سارے شہر میں اس بات کا غل مچادیا کہ شنکر کے گھر ہندوستان کے وزیر اعظم بن بلائے مہمان بن کر چلے گئے تھے۔

شنکر نے فخریہ بتایا کہ "میرے لیے ان کا پیار ایسا تھا"۔ چاہے وہ لنچ ہو یا ڈنر، ان کے گھر ڈائننگ ٹیبل پر کبھی پلیٹوں کی تعداد محدود نہیں ہوتی۔ پورے سال میں سب کے سامنے یہ حقیقت واضح ہو گئی تھی کہ شنکر کا گھر ایک کھلا گھر ہے جس میں کوئی بھی بلا تکلف آکر خاندان کے افراد کے ساتھ کھانے سے لطف اندوز ہو سکتا تھا۔ شنکر ان کو خوش آمدید کہتے اور خود اس کی میزبانی کرتے۔ ان کے بچّے بھی ان کے اس مزاج کے عادی ہو گئے اور وہ ایسے ماحول میں پلنے بڑھنے لگے جہاں ہر وقت لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا۔

1968 میں تریوندرم میں اپنے کالج کے سو سال پورے ہونے پر شنکر نے جوش و خروش کے ساتھ ایک بہت بڑا جشن منانے کا اہتمام کیا۔ اس کالج میں گزارے گئے چار برسوں کی یاد نے انھیں بڑا جذباتی کر دیا۔ انھوں نے کالج سے پاس ہونے والے سارے طلبہ جو کہ اس وقت دلّی میں رہ رہے تھے، کو مدعو کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس موقع کو عزت دینے کے لیے جلسے کا اہتمام کیا گیا جس کی مہمانِ خصوصی محترمہ اندرا گاندھی تھیں۔

شنکر کی زندگی کا ایک اور شوق برج کھیلنا تھا۔ اس کی شروعات ان کی زندگی کے تیسویں سال کے اوائل میں جب وہ دلّی آئے تھے، تب ہوئی تھی اور ہندوستان ٹائمز سے منسلک ہونے کے بعد یہ دلچسپی

اور بڑھ گئی۔ شنکر کے ایک دن کے کام کا کوٹہ ایک کارٹون کی تخلیق ہو تا تھا۔ کبھی کبھی بونس کے طور پر وہ دو کارٹون بنا دیتے اور تقریباً گیارہ بجے تک پورے دن کے لیے وہ آزاد ہو جاتے۔ ایک بار یہ سب ہو جاتا تو شنکر بالکل وقت نہیں برباد کرتے، وہ اپنی سائیکل پر سوار گھر کی طرف روانہ ہو جاتے جہاں جاکر وہ برج کھیلتے۔ اس وقت تک وہاں ان کے دوست پہلے ہی سے تیار ہو کر ان کا انتظار کر رہے ہوتے۔ برج کھیلنے کا یہ دور کبھی کبھی دیر رات تک چلتا رہتا جس میں چائے، کھانا پھر رات کا کھانا پھر چائے کا مسلسل دور جاری رہتا۔ چاروں مست کھلاڑی اپنی محویت میں اطراف سے بالکل غافل ہو جاتے۔ شنکر کی اہلیہ بیچ بیچ میں آکر ساری بے ترتیبیوں کو درست کر جاتیں۔

جب شنکر اپنے "شنکرس ویکلی" اور بعد میں چلڈرن بک ٹرسٹ اور اس کے دیگر کاموں میں مصروف ہو گئے تو برج کھیلنے کے دور کم ہوتے گئے اور آخر میں یہ دور ہر اتوار کی دوپہر تک محدود ہو کر رہ گئے اور یہ آج تک جاری ہے۔ ان کی صحت جب کہ لگا تار کئی گھنٹوں تک بیٹھنے کی اجازت نہیں دیتی لیکن وہ اس سے باز نہیں آتے۔ کھیل کا دن قریب آنے سے دو دن پہلے ہی شنکر اسکول کے بچّوں کی طرح خوش ہو جاتے اور اپنے سکریٹری کو بار بار یاد دلاتے کہ وہ ان کے برج کھیلنے والے ساتھیوں کو اطلاع دے دیں اور اتوار کی دوپہر ٹھیک ڈھائی بجے ان کی موجودگی طے کرلیں۔ دوپہر کے کھانے کے بعد وہ گھنٹوں بیٹھے رہتے۔ اس وقت وہ ساری پریشانیوں سے دور ہوتے۔ ہاتھوں میں تاش کے پتے پکڑے وہ بڑے خوش دکھائی دیتے۔ اس میں کبھی کبھی وہ اپنے ساتھیوں کو بے خیالی سے کھیلنے پر سرزنش کرتے۔ کبھی کوئی لطیفہ سناتے اور کبھی کبھی ان کے چہرے پر ایسے سنجیدہ تاثرات آجاتے جیسے کہ وہ کسی کے قتل کا ارادہ کر رہے ہوں۔

جیسے جیسے دن گزرتے جا رہے تھے اتنی ساری مصروفیات کو جھیلنے کی شنکر کے اندر طاقت کم ہوتی جا رہی تھی۔ چند ایک بڑی بیماریوں نے اور گرنے سے آئی بڑی چوٹ نے ان کی جسمانی رفتار کو کم کر دیا ہے۔ ان کا ذہن اسی طرح ترو تازہ ہے جو کہ بچّوں کے لیے طرح طرح کے نئے منصوبے تیار کرتا رہتا ہے۔ ان کی مشقتوں اور تھکاوٹوں کی ایک خاص وجہ لمبے وقفے تک بیٹھ کر کارٹون بنانا تھی۔ ڈھیروں اخباروں کا مطالعہ کرنے کے بعد کارٹون کے لیے موزوں خاکہ بنانے کے لیے واقعات کی چھانٹ کرنا۔ نہ صرف ان کو جسمانی بلکہ ذہنی طور پر بھی تھکا دیتا تھا۔ پھر وہ اس کارٹون کو اپنے ذہن میں سوچ لیتے اور دیر تک قلم اور برش سے کھیلتے رہتے۔ ان تھکان نے ان کی صحت پر اثر ڈالنا شروع کر دیا تھا۔

وہ اب تقریباً بہتر سال کے ہو رہے تھے اور ان کو جلد ہی فیصلہ کرنا تھا کہ "کیا وہ ویکلی کے ساتھ اپنا کام جاری رکھیں یا اسے بند کر کے اپنا سارا وقت چلڈرن بک ٹرسٹ اور اس کی سرگرمیوں کے لیے وقت کر دیں؟" انھوں نے اپنے آپ سے بارہا یہ سوال کیا۔ مئی 1975 میں ایک دن انھوں نے اعلان

کر دیا کہ اب وہ اپنا قلم اور برش ہمیشہ کے لیے نیچے رکھ رہے ہیں۔ "مجھے اب وہ کارٹون بنانے نہیں ہیں"۔ بغیر دوبارہ سوچے ہوئے انھوں نے اس بات کا اعلان کر دیا۔ ہندوستان کے بہترین کارٹون نگاروں میں ایک جس کی زندگی کا عظیم جذبہ اور شوق ہی کارٹون نگاری تھا، ایک دم اپنے کام سے دست برداری کے اعلان نے ان کے مداحوں کا دل توڑ دیا اور ان کی طرف سے احتجاج کی ایک لہر دوڑ پڑی۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ فنڈ کی قلت نے انھیں ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے اس لیے انھوں نے مالی مدد کرنے کی بھی پیش کش کی لیکن شنکر نے اپنا ذہن بنالیا تھا ان کا واپس مڑنا ناممکن تھا۔

شنکر نے ہمیشہ اپنی مرضی سے اپنی راہیں چنیں۔ لیکن وہ ہمیشہ اپنے مخالفین پر جن کے چہروں پر بے چارگی چھائی ہوتی، اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجائے فتح حاصل کر لیتے۔ ان کی شخصیت کا ایک اور اہم پہلو ان کا نڈرپن اور بے باکی تھی۔ وہ جو کچھ کرنا چاہتے اس کے راستے میں آنے والی تمام مشکلات اور پریشانیوں کی پرواہ کیے بغیر وہ آگے بڑھتے جاتے۔

اس وقت ہندوستان میں بی.بی. سی کے ایک نمائندے کی اہلیہ محترمہ پیگی ہالرائڈ (Peggy Holroyde) جنھوں نے شنکر کے ساتھ کام کیا تھا، ان کی شخصیت کے اس پہلو کو یاد کرتے ہوئے کہا "شنکر ایک ایسے انسان ہیں جنھیں آپ 'نہیں' نہیں کہہ سکتے اور شنکر جب کچھ کرنے کی ٹھان لیتے تو نہرو تک انھیں 'نا' نہیں کہہ سکتے تھے۔ مجھے وہ دن یاد ہیں جب شنکر کی پہلی چلڈرنس آرٹ کی نمائش ہو رہی تھی اور اس کے بعد ان کے گانے اور ڈرامے کے مقابلے اور پھر ان کا بین الاقوامی گڑیوں کی نمائش اور آخر میں چلڈرن بک ٹرسٹ کی مصروفیات کے دوران جو سوچ لیا وہ کر دکھانے کا جذبہ نمایاں تھا۔ اگر کبھی کوئی وزارت ان کے راستے میں اڑچن بنتی یا مالی امداد سے متعلق ان کے جمع کیے گئے کاغذات لال فیتہ شاہی میں کھو جاتے تب شنکر اپنی پرانی کھٹارا کار میں لگاتار سگریٹ پیتے ہوئے سیدھے پنڈت نہرو کے گھر پہنچ جاتے اور وہاں سے ہمیشہ فتح یاب ہو کر لوٹتے"۔

شنکر کو ہمیشہ آگے بڑھنے میں لطف آتا تھا۔ اپنے بچپن کے دنوں میں وہ گھنٹوں ناریل کے باغات، کھیتوں اور ندی کے کنارے سیر کرتے رہتے۔ ہائی اسکول میں انھوں نے تیراکی شروع کی اور پھر اس کے اچھے خاصے ماہر بن گئے۔ کالج میں خالی اوقات میں وہ ٹینس کھیلتے یا ڈراموں کی ہدایت یا اداکاری میں مصروف رہتے۔ دلّی جانے کے بعد بھی انھوں نے اپنی یہ سرگرمیاں جاری رکھیں اور کیرالا کلب کی جانی مانی ہستی بنے رہے جو طرح طرح کے پروگرام اور سرگرمیوں کی تنظیم کرتے اور ڈراموں کی ہدایت کاری کرتے۔

وہ بڑے سخت نقاد بھی تھے۔ جلدی کسی بھی بات سے خوش نہیں ہوتے تھے۔ پیش کش جب تک بالکل

بے عیب نہ ہو اس کی تعریف میں ایک لفظ بھی نہ کہتے اور اتنا ہونے پر بھی وہ محض یہی کہتے کہ "ہاں خراب نہیں تھی"۔ لیکن وہ فن کار انھیں اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کے یہ الفاظ بھی ان کے لیے مسرت کا سامان ہوتے۔

اب جب کہ ان کی عمر اور صحت دونوں نے ان کی دوڑ بھاگ پر پابندی لگادی تھی۔ انھوں نے پُر سکون زندگی گزارنی شروع کر دی، وہ علی الصبح غسل کر کے ہلکاناشتہ کرتے اور سویرے آٹھ بجے تک 'نہرو ہاؤس' کے لیے روانہ ہو جاتے۔ ان کا دفتر ان کا مندر تھا۔ سال میں ایک بھی دن ایسا نہ تھا جب وہ وہاں نہ جاتے اور قومی چھٹیاں بھی ان کو وہاں جانے سے باز نہ رکھتیں۔ ان کو وہاں بہت سکون ملتا۔ وہ کبھی اپنے آرام دہ مطالعہ کے کمرے میں رہتے، کبھی اخبارات کا مطالعہ کرتے تو کبھی اُن مسودات پر نظر ثانی کرتے جن پر وہ کام کر رہے ہوتے۔ وہ پورے دفتر میں گھومتے رہتے اور اپنے اسٹاف کے ممبران سے بات چیت کرتے اور کبھی کبھار لطیفہ بھی سناتے۔ وہ بلاناغہ میوزیم میں جاکر گڑیوں کو ضرور دیکھتے اور جب بھی وہ میوزیم کا دورہ کرتے کچھ نہ کچھ نیا ضرور پاتے۔ یہ گڑیاں ان کی زندگی ہیں، وہ ان میں سے کسی کو بھی بے ترتیب ہونا برداشت نہیں کرتے چاہے ایسا صفائی کے دوران ہی کیوں نہ ہوا ہو اور اگر کبھی اتفاق سے کسی دن ایسا واقعہ ہو جاتا تو پورے دن پریشان رہتے۔ ان کی آنکھوں سے ان کی پریشانی نمایاں طور پر ظاہر ہو جاتی۔

گڑیوں کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتے "یہ میرے بچّوں کی طرح ہیں۔ آپ اپنے بچّوں کو دیکھ اُکتا تو نہیں جاتے، کیا آپ اُکتاتے ہیں؟"

ایک بار ان کے ادارتی شعبے کی ایک ملازمہ سے جب میں نے شنکر کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا "وہ حد سے زیادہ پُر خلوص ہیں لیکن کب ان کا موڈ بدل جائے اس کا آپ اندازہ نہیں لگا سکتے۔ ایک لمحہ تو وہ کمرے میں آکر اپنے مطالعہ اور اس وقت کے نظریہ سے بہت ہی پُر جوش اور خوش نظر آتے لیکن اگلے ہی پل وہ ایک دم کھوئے ہوئے نظر آتے۔ لیکن انھیں آئس کریم بہت پسند ہے اور اکثر ان کے طفیل میں ہمیں بھی کھانے کو مل جایا کرتی تھی۔ انھوں نے ہندوستان اور ساری دنیا کے بچّوں کا بیڑا اُٹھا رکھا تھا اور اس کے لیے میں ان کی پرستار ہوں اور ان کی بے پناہ عزّت کرتی ہوں"۔

ایک دوسرے سنجیدہ اور جذباتی شخص جو شنکر کو اپنا آئیڈیل مانتے ہیں، انھوں نے مجھ سے کہا "شنکر کے پختہ یقین، جن کا وہ اکثر زور و شور سے بیان کیا کرتے تھے، وہ خود میرے کیریر کی رہنمائی کرتے ہیں۔ وہ مکمل پیار، مکمل ایمان داری اور مکمل کوششوں پر یقین رکھتے تھے۔ اس میں کوئی اگر مگر نہیں لگا تھا یہ بالکل پختہ تھا۔ انھوں نے اپنی ساری کوششوں کو بچّوں کے لیے بہتر سے بہتر کرنے میں صرف کر دیا

رنگوں کا سمندر۔ شنکر کے فی الفور مصوری مقابلے کا ایک حسین منظر

صدر جمہوریہ عزت مآب فخر الدین علی احمد سے "پدم بھوشن" اعزاز لیتے ہوئے

اور انھیں خوش دیکھنے کی مکمل ذمے داری اپنے آپ لے لی"۔

ان کے بارے میں اکثر لوگ کہا کرتے "وہ ایک جدید مائی داس (Midas) کی طرح ہیں، وہ جو بھی پانا چاہتے ہیں اس میں کامیاب ہوتے ہیں"۔ لیکن اس کی کچھ وجوہات ہیں اور وہ یہ ہیں کہ سنجیدگی، کڑی محنت اور اپنے آپ کو وقف کر دینا۔ چھوٹی موٹی مشکلات سے وہ کبھی بھی نہیں گھبرائے۔ اسے وہ اپنی زندگی کا حصہ مانتے ہیں۔

ایک نوجوان فن کار نے ان کے بارے میں کہا "وہ بہت بڑے دل کے مالک ہیں اگر وہ کسی میں کوئی اچھائی دیکھتے ہیں تو اس کی خراب چیزیں بھی بھلا دیتے ہیں"۔

چلڈرن لائبریری کے لائبریرین نے ان کے بارے میں کہا کہ "انھوں نے زندگی میں اتنا کچھ کیا ہے کہ وہ جتنا چاہیں اس کا بیان کر سکتے ہیں۔ لیکن ان میں عاجزی اور انکساری کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

شنکر نے اتنا کچھ کیا لیکن شاید ہی انھوں نے کبھی ان باتوں کو بیان کیا۔ اگر آپ ان کا انٹرویو لینے میں کامیاب ہو جاتے تو یہ تمغہ حاصل کرنے کے برابر ہوتا۔ وہ معصومیت سے کہتے "میرے بارے میں جاننے کے لیے کیا ہے۔ آپ میری گڑیاؤں کو دیکھیے، آپ میری کتابوں کو دیکھیے، اس کے بعد آپ میرے بارے میں سب کچھ جان جائیں گے"۔

شنکر مقرر نہیں ہیں۔ وہ بولنے سے زیادہ کرنے پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ زیادہ نہیں بولتے لیکن اپنے عمل سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے اور آپ سے امید رکھتے کہ آپ ان خیالات کو سمجھ لیں۔ وہ ایک ایسے اصول پرست انسان ہیں جنھوں نے خوابوں کو دیکھا اور ان کو پایۂ تعبیر تک پہنچایا ہے۔

شنکر اپنے خاندان سے جڑے ہوئے ہیں اور لمبے وقفے تک ان سے دور نہیں رہ سکتے۔ گھر میں ان کی خوشی کا مرکز ان کے پوتے ہوا کرتے ہیں۔ جب بھی وہ ان کے پاس آتے ہیں شنکر انھیں چومتے اور خالص دادا کی طرح انھیں چاکلیٹ اور ٹافیاں دے کر ان کا ڈلار کرتے ہیں۔ بچے جب بھی گھر سے دور ہوتے ان کی کمی بہت محسوس کرتے ہیں اور اکثر ان کو واپس بلانے کا حکم دے ڈالتے ہیں۔ یوں تو وہ ایسا ظاہر کرتے جیسے گھر میں ہو رہی ہر بات سے وہ لاعلم ہیں لیکن وہ خاندان کے ہر فرد کی ایک ایک حرکت اور کام پر نظر رکھتے اور ان کی آنکھوں سے کچھ بھی اوجھل نہیں رہ پایا۔

ان کی اہلیہ نے بتایا "وہ صرف اس وقت پریشان نظر آتے جب وہ بیمار ہوتے لیکن ہر بڑے آدمی کی کچھ کمزوریاں بھی ہوتی ہیں"۔ انھوں نے مسکراتے ہوئے کہا "وہ ہر وقت توجہ چاہتے تھے اور کیوں نہ ہو۔

انھوں نے ابھی تین سال پہلے ہی بہت دھوم دھام سے اپنی شادی کی پچاسویں سالگرہ منائی ہے یہ لگ بھگ دوسری شادی جیسا ہی تھا۔ اس بوڑھے جوڑے کو ہندوستان اور باہر ممالک کے سبھی لوگوں، عزیزوں، رشتہ داروں کو نیک خواہشات رکھنے والوں نے دعائیں دیں۔

شنکر بڑے فخر کے ساتھ کہتے "میرے اس بین الاقوامی مقابلوں کی طرح میرا خاندان بھی بین الاقوامی ہے میرا ایک داماد جنوبی امریکہ میں واقع ایک جگہ چلی کا رہنے والا ہے اور میری ایک بہو چیکو سلواکیہ کی رہنے والی ہے۔ اس کے علاوہ میری ایک بہو گجرات کی اور ایک داماد یوپی کا ہے۔ میری بڑی لڑکی ہی صرف کیرالا میں بیاہی ہے"۔

شنکر رات کے کھانے پر اپنے مہمانوں کو بڑے فخر کے ساتھ بتاتے "دو اور بیس سال کے بیچ کے میرے سات پوتے پوتیاں ہیں"۔ اور اس کے بعد وہ ایک ایک کر کے سب کے نام پکارنے لگتے۔ بچے مکان کے جس کونے میں بھی رہتے ان کی آواز سن کر دوڑے آتے۔ وہ شرماتے ہوئے وہاں کھڑے رہتے اور ان کے دادا ان کی کارکردگی کی کامیابی کو فخر یہ بیان کرتے رہتے۔

شنکر سرگرم دماغ کے ایک ایسے سرگرم انسان ہیں جنھوں نے اپنی زندگی کو بھرپور ڈھنگ سے جیا۔ جس سے کہ آج کی روشن خیال کہی جانے والی پیڑھی کا کوئی بھی آدمی شرما جائے اور آج کے نوجوان طبقے کے بارے میں ان کی یہی شکایت ہے۔ "آپ لوگوں کے پاس بے شمار مواقع ہیں لیکن آپ ان کا بہتر استعمال نہیں کر رہے ہیں، کوشش کیجیے، ضرورت پڑنے پر جدوجہد کیجیے لیکن حوصلہ مند اور پُر امید رہیے۔ اگر آپ کے پاس کوئی مقصد نہیں ہے تو زندگی میں کوئی لطف نہیں رہے گا لیکن بنا جدوجہد کے کوئی کامیابی نہیں ملتی۔ یہی میری آپ لوگوں کو صلاح ہے"۔

جس شخص نے اپنی زندگی کا دو تہائی حصہ آج کے بچوں اور کل کے نوجوانوں کو خوشیاں دینے میں وقف کر دیا کیا اس کا ایسی امید کرنا کچھ زیادہ ہے؟

مکی پٹیل، نئی دلّی (Mickey Patel, New Delhi)

جیساکہ پرانی داستانوں میں قلم بند ہے کہ ایک چینی بادشاہ نے اس وقت کے عظیم فن کار کو ایک شاہکار پینٹنگ بنانے کا حکم دیا۔ پینٹنگ پیش کیے جانے کے لیے ناظرین بڑی بے صبری سے شاہی منظوری کا انتظار کر رہے تھے۔ نمائش گاہ میں بادشاہ نے واقعے کے بعد ایک تصویر سے دوسری کی طرف ایک ایک تفصیل کا بغور معائنہ کیا اور ان کی باریکیوں کا مشاہدہ کرتا گیا۔ ہر تصویر کے ماہرانہ اور منفرد فن کا بغور مطالعہ کرتا رہا۔ سِلک کے بڑے پردے پر ایک خطرناک زبردست اژدہے کی حسین تصویر کو غور سے دیکھتا رہا اور فن کار سے اس تصویر کی باریکیوں پر بات چیت کرتا رہا۔ چینی سلطان اس تصویر سے بہت متاثر ہوا لیکن ایک نقطے پر آکر اچانک بے چین ہو گیا۔ اس عظیم فن کار سے اتنی بڑی غلطی کیسے ہو گئی کہ وہ آنکھیں بنانا بھول گیا۔

آنکھیں؟ بوڑھا آدمی زیرِلب سسیایا۔ شاہی خاندان کے ساتھ غداری نہیں، کبھی نہیں۔ اسے آنکھیں نہیں ملنی چاہئیں۔ اس نے ایک ماہر کی طرح تاکید کی اژدہا کبھی بھی زندہ ہو سکتا ہے۔ آپ کو تباہ کر سکتا ہے آپ کے محل کو ہر چیز کو۔

شنکر نے آنکھوں کو ہمیشہ ترجیح دی۔ جذباتی تفصیلات کو اس کے بعد اہمیت دی۔ اس کی تصاویر کی آنکھوں میں زندگی ہوتی تھی۔ دو کالی آنکھیں، روشنی کے مینار کی مانند ہمیشہ نمایاں نظر آتیں۔ وہ بے حد روانی سے مجسمہ سا چہرہ بنانے کے بعد آنکھوں میں بے قراری، تجسس اور چمک سب کچھ نمایاں کر دیتے۔ آنکھوں سے نکلتی روشنی، وقت اور موقع محل کو ظاہر کر دیتی۔ ان کی بنائی نمایاں آنکھوں کے جال میں ٹھہراؤ، بے چینی، تجسس، کمزوری، شان و شوکت، غرور، احساسِ جرم، سب کچھ بے حد نمایاں ہوتا۔ اس ڈرائنگ سے بے چارگی اور چبھن کا احساس بھی نمایاں ہوتا تھا۔

"اور آخر میں صرف پیار اور محبت، وہ جیسا بھی ہو، کسی بھی مصور کے لیے آنکھوں کا اس طرح بنالینا بے حد ضروری ہے جس میں سونے جیسی چمک ہو اور جوگاتی ہوئی نظر آئیں"۔ پکاسو

شنکر میرے ذہن، بچپن، نوجوانی، جوانی کے ٹوٹے پھوٹے چوراہوں پر چھائے رہے چاہے وہ بے چینی، بے قراری اور سکون و اطمینان کی گھڑیاں کیوں نہ ہوں۔ ان کا سایہ میری اب تک کی 43 سالہ زندگی پر بدستور برقرار ہے۔ مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ شنکر نے مجھے تپایا ہے۔ رہنمائی کبھی بھی سیدھی لکیر سی سہل نہیں، حوصلہ افزائی کبھی سیاہ اور سفید نہیں ہوتی۔ شنکر کے روبرو آپ کے پاس پسند، ناپسند کی کوئی حقیقت نہیں۔ آپ اپنے آپ کو قید ہوتا ہوا محسوس کریں گے۔ اگر آپ نے کوئی بحث چھیڑی تو آپ خود کو ان کی گرفت میں جکڑتا ہوا پائیں گے جس میں وہ آپ کو اکسائیں گے اور چھیڑیں گے بھی اور یہ سب بجلی کی سی تیزی سے ہوگا۔ وقت کی رفتار سے تیز پچھلی باتوں کا ذکر وہ ایسی خوب صورتی سے کرتے جیسے کوئی دریا رواں ہو۔ آنکھیں، جملے، ہاتھ، ڈرائنگ، گرفت سے آزادی،...... جملے، عمارتوں کا گرانا، فنون کی دھجیاں اڑانا، برسرِ اقتدار کا مذاق، ہوا سے لڑنا، چٹان سی مضبوط شے کے مقابل ہاتھ میں ہنٹر لیے پہنچ جانا، سخت موسم، بے رحم شدت اور اگر آپ بچ گئے تو آپ لڑکھڑا کر بے کار شے کی طرح اپنے آپ کو ایک کونے میں پڑا ہوا پائیں گے۔ کھوکھلے بیج، کوڑے کے ڈھیر میں ملیں گے۔ طوفان کے بعد کا سکون اور خاموشی۔ "ہاں، فن، خطرناک شے ہے اور اگر وہ بالکل پاک و صاف ہے تو وہ فن نہیں ہے"۔ پکاسو

14

حالاں کہ وہ ایک نرم مزاج اور منکسر انسان، شہرت سے ہمیشہ شرمانے والے رہے، شنکر کبھی صحافت کی دنیا میں اور بچوں کی دنیا میں بے خبری کا شکار نہیں ہوئے۔ سب سے پہلی بار 1956 میں ان کی قدر شناسی ہوئی اور اس کے بعد وہ ہندوستان اور دیگر ممالک میں نمایاں ایوارڈ حاصل کرتے رہے۔

1956 میں صدر جمہوریہ ہند کی طرف سے ان کو پدم شری کا خطاب دیا گیا جو صحافت کے میدان میں ان کی خدمات کے لیے دیا گیا تھا۔ کارٹونوں کی دنیا میں معروف ہونے کی وجہ سے اکثر لوگ انھیں ''ہندوستان میں کارٹون نگاری کا رہ نما'' (Father of Catrooning of India) کے نام سے بیان کرنے لگے۔

''شنکرس ویکلی'' میں اپنی تیز سمجھ اور مزاح کے ذریعے دوسروں پر طنز کرنے کی وجہ سے شنکر کو حاصل شہرت کے باعث 1966 میں گورنمنٹ آف انڈیا نے انھیں ''پدم بھوشن'' کے خطاب سے نوازا۔ حکومت نے ان کو ''مایۂ ناز صحافی'' کا بھی نام دیا۔

1976 میں شنکر کو ''پدم بھوشن'' کا ایوارڈ ملا جو بچوں کے لیے اپنا سب کچھ وقف کر دینے کے لیے دیا گیا تھا۔ وہ شاید ان چند لوگوں میں سے تھے جن کو یہ تینوں ایوارڈوں سے نوازا گیا ہو۔

شنکر کے سوچنے کا طریقہ کبھی بھی عزت اور شہرت سے بدلا نہیں وہ وہی پرانے شنکر رہے۔ بے پناہ جوش و خروش کے مالک اور بہت ہی بے باک۔ ہنگامہ خیز، جذباتی اور اکثر حیران کن۔ شنکر کے الفاظ کے ذخیرے میں ''نہیں'' کی کوئی جگہ نہ تھی اور ان کی سادگی، ان کا انسانیت سے بھرپور رحم دلانہ سلوک اکثر کھوکھلے اور شان و شوکت دکھانے والے لوگوں کو شرمندہ کر جاتا۔ جناب چلاپتی راؤ نے اپنے بہت ہی عزیز دوست کے تئیں اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ''میں پہلی بار شنکر سے اس وقت ملا جب وہ مشہور ہو چکے تھے۔ بہت عرصہ بیت گیا۔ حالاں کہ ان کے بچے اور بچوں کے بچے کہتے ہیں کہ وہ اسّی سال سے اوپر کے ہو گئے ہیں لیکن میرے لیے وہ اتنے ہی نوجوان ہیں جتنے اس وقت تھے۔ اب وہ ایک آدمی نہیں بلکہ کسی کی یاد میں بنایا گیا شاہکار ہو گئے ہیں۔ لیکن جس لمحہ بھی میں اس

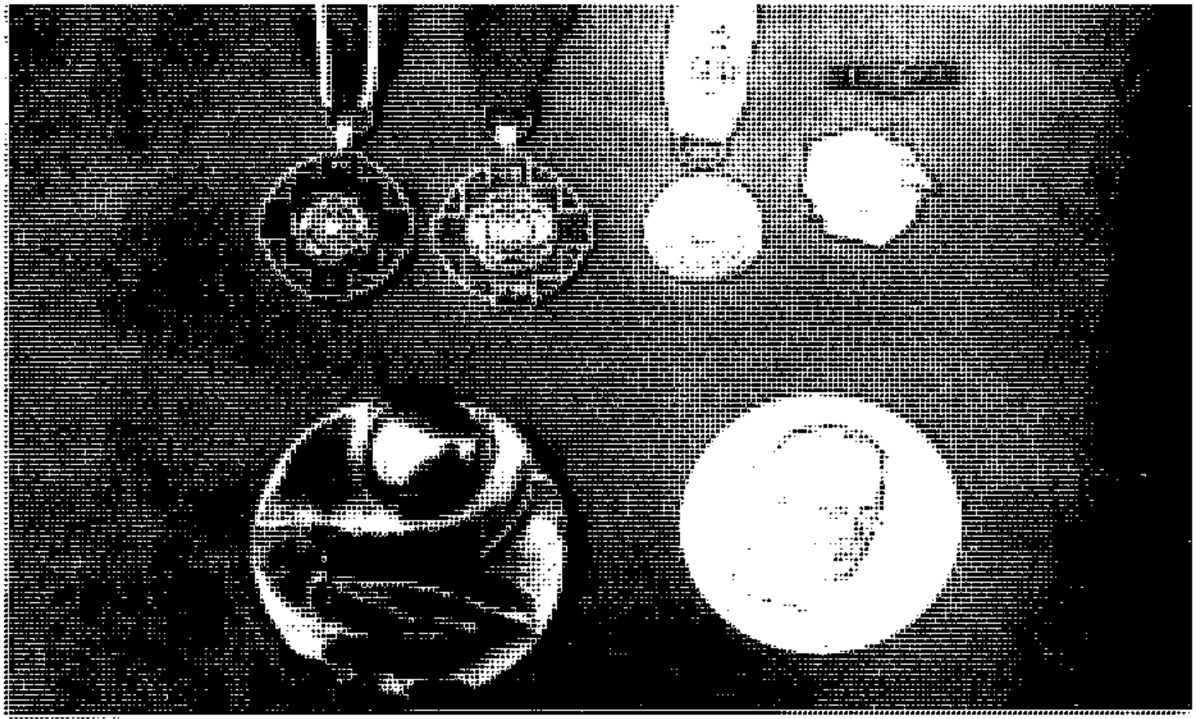

چند اعزازات جو شنکر کو نوازے گئے

1980-بداپیٹ(Budapet) میں انعام حاصل کرنے والی ایک ہینگرین کو شنکر میڈل لگاتے ہوئے

1980۔ پولینڈ میں آرڈر آف اسمائیل(Order of Smile) قبول کرتے ہوئے

شاہکار کے پاس جاتا ہوں وہ زندگی سے بھرپور انسانیت سے مالا مال ایک آدمی ہوتا ہے۔ دنیا بھر کے بڑے اور بچّوں کا دل شنکر نے اپنی انسانیت سے بھرپور خیالات اور سرگرمیوں سے جیت لیا ہے۔
1977 میں پولش (Polish) بچّوں کی ایک کمیٹی نے شنکر کو "اعزازِ تبسم" (Order of Smila) نامی انوکھے خطاب سے نوازا۔ پولش بچّوں کی یہ کمیٹی دنیا بھر کے مختلف ممالک میں ہے۔ سال کا سب سے سرفراز شخص چنا کرتی تھی۔ شنکر ایسا اعزاز حاصل کرنے والے پہلے ہندوستانی ہیں حالاں کہ اس ایوارڈ کا 1977 میں ہی اعلان کر دیا گیا تھا۔ شنکر تین سال بعد اس کو قبول کرنے پولینڈ جا سکے۔

کسی عہدے پر فائز کرنے کا یہ جلسہ پولینڈ کی راجدھانی وارسا (Warsaw) میں ہوا تھا اور جلسہ اپنے آپ میں بالکل انوکھا تھا۔ شنکر کے لیے یہ ایک خوش کن لمحہ تھا۔ آپ ان کو سینے "جلسہ کا آغاز اعزاز تبسم" کے چیر مین جناب سیزیری لیزنیسکی (Mr. Cezary Lezenski) کی آمد سے ہوا۔ ان کی داہنی طرف ایک بچّہ نیزہ لیے تھا جس کے سر پر ایک مسکراتا ہوا سورج بنا تھا۔ بائیں طرف دوسرا بچّہ ایک ٹرے لیے کھڑا تھا جس میں اعزاز تھے۔ اعزاز حاصل کرنے والوں کا تصدیق نامہ اور گلاب تھے۔ داہنی جانب کھڑا بچّہ "ہیرالڈ" نے نیزے کو فرش پر تین بار ٹھوکا اور کہا "ہوشیار، ہوشیار، ہوشیار! (توجہ دیں) کیا یہاں شنکر موجود ہیں؟" میں یہاں ہوں"۔ میں نے کہا اور بچّوں کی نگرانی میں اسٹیج کی طرف چلنے لگا۔ بگل بجنے لگے۔ چیر مین آگے آئے اور آرڈر (میڈل) کو میری کوٹ کے کالر پر لگا دیا اور میرے بائیں کندھے کو گلاب سے چھوتے ہوئے کہا "شنکر! میں سرکاری طور پر اعلان کرتے ہوئے آپ کو "اعزاز تبسم" کا حق دار ٹھہراتا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ وعدہ کریں کہ چاہے آندھی ہو یا طوفان، تم ہمیشہ خوش رہو گے اور بچّوں کو خوشیاں اور مسرتیں دو گے"۔ شنکر نے جواب دیا "میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں خوش رہ کر بچّوں کو خوشیاں فراہم کروں گا"۔ ایک بچّہ اونچے سے گلاس کو ٹرے میں رکھ کر لایا اور شنکر کو للکارتے ہوئے کہا "اس گلاس میں لیموں کا کھٹا جوس ہے۔ دیکھیں آپ اپنے الفاظ پر کس طرح قائم رہتے ہیں؟ شنکر نے گلاس اٹھایا پورا شربت پیا اور جتنا ممکن ہو سکتا تھا اپنے چہرے پر ایک چمکتی ہوئی مسکراہٹ پھیلا دی۔

1977 میں سوویت حکومت نے اکتوبر آرٹ چلڈرن (October-Art-Children) نامی ایک میٹنگ میں شرکت کرنے کے لیے شنکر کو مدعو کیا۔ جو اتفاق سے سوویت اقتدار کے نفاذ کی 80ویں سالگرہ کے دن سے جا ٹکرایا۔

1979 میں یونائیٹڈ نیشن ایسوسی ایشن کی ہیملٹن برانچ نے کینیڈا میں بچّوں کی دنیا کے لیے شنکر کی

بے تحاشہ خدمات کا حوالہ دیتے ہوئے انھیں ایک خطاب سے نوازا اور ایک پیغام دیا جو کہہ رہا تھا ''ہمیں یقین ہے کہ آپ کے اس بیش قیمت کام کے لیے ہمارا دیا گیا یہ خطاب آپ کو ہماری تہہ دل سے شکر گزاری کا پیغام دے گا''۔

بچّوں کے لیے کی گئی خدمات اور سرگرمیوں کو سراہتے ہوئے شنکر کو 1980 میں ہنگرین انسٹی ٹیوٹ آف کلچرل ریلیشن کا کومیموریٹو میڈل دیا تھا۔

بچّوں کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دینے کے جذبے کے اعزاز میں فیڈرل ریپبلک آف جرمنی (Federal Republic of Germany) کے خطاب سے نوازا۔

ہندو چیک دوستانہ ماحول کو بڑھاوا دینے کے اعزاز میں گورنمنٹ آف چیکو سلواکیہ نے انھیں گولڈ میڈل دیے۔

1980 میں بلغاریہ میں ہوری بچّوں کی بین الاقوامی کانفرنس میں انھیں ایک نمایاں اور ممتاز مہمان کے طور پر مدعو کیا گیا۔ کانفرنس جس کا ٹائٹل ''انٹرنیشنل چلڈرن اسمبلی، بیز آف پیس'' تھا، سوفیا میں ہوئی اور جیسا کہ اس کا نام تھا یہ دنیا بھر کے مختلف بچّوں کے درمیان امن اور اتحاد بڑھانے کے لیے کی گئی تھی۔ دنیا بھر سے تین ہزار سے زائد بچّے اس میں شرکت کرنے کے لیے بلائے گئے تھے۔ ہندوستانی بچّوں کے گروپ کو بھی وہاں موجود ہونے کا اعزاز بخشا گیا۔ بچّوں نے اپنے تہذیبی خیالات کا اظہار مختلف فنون سے، آرٹ، موسیقی اور رائٹنگ کی شکل میں ایک دوسرے سے تبادلہ کیا۔ ممتاز مہمانوں کے سامنے بچّوں کا اپنے آرٹ کو نبھانا اور سنانا بذات خود ان کے لیے اعزاز سے کم نہ تھا اور ناظرین کے لیے ایک بیش قیمت تحفہ تھا۔ وہاں موجود سب کے لیے یہ دور میادگار تھا۔

حال ہی میں جنوری 1984 میں دلّی یونی ورسٹی نے اپنے پچھتّر سال پورے ہونے کا جشن منایا۔ اس میں انھوں نے شنکر کو ڈی. لٹ (Doctorate of Literature) ڈاکٹریٹ آف لٹریچر کی سند سے نوازا۔ سند جو مختلف میدانوں میں اپنی خدمات انجام دینے والی ممتاز شخصیتوں کو دیا جاتا ہے۔

شنکر کے لیے بہر حال سب سے بڑا ایوارڈ ''ڈول میوزیم'' میں بچّوں کے چہروں پر خوشیوں کی چمک دیکھنا تھا جو کہ بہت ہی انہماک اور چاؤ سے گڑیوں اور مصوری کو اس بڑے سے ہال میں دیکھا کرتے۔

بین الاقوامی بچّوں کے سال 1979 کے دوران شنکر کے جوش و خروش اور تخلیقی آئیڈیا بچّوں کے لیے دس روزہ بین الاقوامی فیسٹول فار چلڈرن کی شکل میں نمودار ہوا۔ جو کہ انڈیا گیٹ کے سامنے واقع

1980 میں ہنگرین انسٹی ٹیوٹ آف کلچرل ریلیشن سے کومیموریٹو میڈل حاصل کرتے ہوئے

1983 میں صدر گیانی ذیل سنگھ کے ساتھ

1984 میں دلّی یونیورسٹی کی طرف سے
ڈی. لٹ کی سند حاصل کرتے ہوئے

اہلیہ تھنکم کے ساتھ بہت سکون سے بیٹھے ہوئے

وسیع و عریض لان میں منعقد کیا گیا۔ نئی دلّی کے، اس کے گیٹ کو بڑے فن کارانہ انداز سے سجایا گیا تھا جس نے نوجوانوں اور بوڑھوں سب کے لیے برابر ہی خوشیوں اور تفریحوں کی دنیا کھول دی تھی۔

اس فیسٹول کی سب سے خاص سرگرمیاں بین الاقوامی چلڈرن بک فیئر، نیشنل ایکزبیشن آف ڈولز اینڈ ٹوائز، تھیٹر فیسٹول، چلڈرنس فلم فیسٹول اور بچّوں کے ادب پر تین روزہ سیمینار تھیں۔ چلڈرنس بک ٹرسٹ کی طرف سے چلڈرنس بک کے مصنفوں کے بیچ مقابلے کی شروعات کی گئی۔

اس جشن کے یہ پُر مسرت دس دن تھے۔ دلّی اور آس پاس کے شہروں اور قصبوں سے بچّوں سے بھری بسیں آتیں۔ بچّوں کے لیے یہاں بہت کچھ دیکھنے، سیکھنے اور خوش ہونے کے لیے تھا۔ پہلی بار وہ بہت ساری زبانوں میں بے شمار کتابیں دیکھ رہے تھے۔ گڑیوں اور کھلونوں کی نمائش اور ایسے کھلونے جن سے آپ کچھ سیکھ سکیں لے آئے تھے اور ان کو سجایا تھا۔ خاص طور سے بچّوں کو خوشی دینے والی فلمیں دکھائی جارہی تھیں لیکن بڑوں کا ہجوم بھی وہاں برابر ہی تھا۔ اس تھیٹر فیسٹول نے مختلف اسکولوں اور اداروں سے آئے تقریباً پانچ ہزار سے زائد بچّوں کو جنھوں نے تنہا اور گروپ میں حصّہ لیا تھا، ایک پلیٹ فارم، ایک میز مہیا کیا۔

ایک خاص تحفے کے طور پر تقریباً تیس بچّے جنھوں نے شنکر کے بین الاقوامی چلڈرن مقابلے میں گولڈ میڈل حاصل کیے تھے، دنیا کے مختلف ممالک سے شنکر کے مہمان کی حیثیت سے بذاتِ خود اپنے انعامات لینے آئے تھے۔ وہ ارجنٹینا، آسٹریلیا، برطانیہ، کنیڈا، چیکو سلواکیہ، یونان، ہنگری، انڈونیشیا، جاپان، پیرو، پولینڈ اور سری لنکا سے آئے تھے۔ ان میں سے کچھ بچّے جن کی عمریں آٹھ سے سولہ سال کے بیچ تھیں۔ انھوں نے اپنی زندگی میں کبھی ہندوستان کا دورہ کرنا خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ دس دن، قابلِ دید مقامات کی سیر، سیکھنے، اپنے ہندوستانی دوستو سے تبادلہ خیال کرنے، تھیٹر دیکھنے، فلمیں دیکھنے اور آخر میں صدر جمہوریۂ ہند سے اپنے گولڈ میڈل حاصل کرنے میں پَر لگا کر اڑ گئے۔ شنکر اور ان کی خوابوں کی دنیا کو خیر باد اور الوداع کہتے ہوئے ان بچّوں کی آنکھیں اشک بار تھیں۔

اگست 1971 میں شائع ہوئے ''السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا'' کے ایک مضمون میں بہت ہی موزوں اور مناسب تجزیہ کیا گیا تھا ''ان کے لیے خوابوں کو بنتا ایک مشغلہ، گڑیاں اکٹھی کرنے کا جنون کی حد تک شوق، بچّوں کے لیے لکھنے اور تصاویر بنانے کا پُر شوق جذبہ اور انسانی حماقتوں کو منظر عام پر لانا اور اپنے کارٹونوں کے ذریعے ان حماقتوں کی شرافت کی حد میں نقالی کرنا، زندگی گزارنے کا طریقہ تھا۔ شنکر محض خواب دیکھ کر وہیں رُک نہیں جاتے تھے بلکہ اپنے خوابوں کو حقیقت کا روپ دینے لیے اس وقت

تک اس کا پیچھا کرتے جب تک وہ ہتھیار نہ ڈال دیں"۔

دلّی شہر میں آئے ہوئے شنکر کو پچاس سال سے زائد عرصہ ہو گیا تھا۔ پچاس سال جس میں وہ "دی ہندوستان ٹائمز" کے ایک اسٹاف کارٹونسٹ سے بین الاقوامی شہرت والی شخصیت میں بدل چکے تھے۔ یہ گزرے سال ان کی جدوجہد اور سخت محنت کی گواہی دیتے ہیں۔ ان برسوں نے ان کی بے پناہ کوششوں کا پھل دیا ہے، ان برسوں نے اس شخص کو آدمی سے ایک ادارے میں تبدیل ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔

انھوں نے بہت کچھ کر لیا ہے۔ وہ اور کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ نئی دلّی میں بچّوں کے ایک بین الاقوامی سنٹر کی بنیاد ڈالنے کی خواہش ان کے اندر بُری طرح سر اُبھار رہی ہے۔ ہر جگہ کے بچّوں کے لیے ملنے کی جگہ ہو جو کہ بچّوں کے درمیان خیر سگالی کے جذبے کی جیتی جاگتی علامت ہو جیسے پچھلے تیس برسوں میں شنکر کے بین الاقوامی بچّوں کے مقابلے نے بچّوں کے اندر پیدا کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی۔

"میرے خیالات" شنکر نے غور و فکر سے کہا۔ "ایک بین الاقوامی مرکز ہیں جس کے آڈیٹوریم میں تقریباً ایک ہزار بچّے بیٹھ سکتے ہوں، آرٹ گیلری ہے جہاں تقریباً پانچ ہزار بچّوں کی مصوّری دکھائی جا سکتی ہے۔ دنیا بھر کے مختلف کونوں سے تقریباً پانچ ہزار سے زائد دورہ کرنے والے بچّوں کے لیے اقامت گاہ (سونے کا کمرہ) ان کے رُکنے اور قیام و طعام کے لیے ساری سہولیات، لائبریری، مشغلوں کا مرکز، کھیلنے کا میدان۔ حقیقتاً ایک ایسا مرکز جہاں دنیا کے مختلف حصّوں سے آئے بچّے مل سکیں اور ایک دوسرے کے ساتھ رہ سکیں۔ یہی ایک طریقہ ہے جس سے ہم ان کے اندر یہ جذبہ ڈال سکتے ہیں کہ وہ سارے ایک ہی دنیا سے وابستہ ہیں"۔

اچھا، یہ ہے شنکر کا خواب

26 دسمبر 1989 کو شنکر کی وفات ہو گئی۔